جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ ستمبر/اکتوبر ۲۰۱۵ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم

تذکرہ حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اشاعت

ترجمان اہل سنت والجماعت وکیل صحابہ واہل بیت استاذ المناظرین حضرت مولانا علامہ محمد عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے روح پرور حالات وکمالات دینی علمی خدمات وافادات پر مشتمل بصیرت افروز تذکرہ بالآخر ایک ہزار صفحات اور دیدہ زیب جلی کتابت بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آ گیا ہے ۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں سرزمین تونسہ شریف میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے از ہر ہند دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے وہاں آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ سے دورۂ حدیث شریف کی کتب پڑھ کر اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی اور پھر حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے رد روافض کے موضوع پر بھرپور تربیت حاصل کی، پھر کئی سال تک آپ نے تونسہ شریف کے ادارہ جامعہ محمدیہ میں تدریس کی، بعد ازاں تحریک تنظیم اہل سنت والجماعت کے عمائدین کے اصرار پر آپ نے بحیثیت مرکزی مبلغ ومناظر تنظیم کے ساتھ وابستگی قائم فرمائی۔اس طرح نہ صرف پورے ملک بلکہ بیرون ملک بھی اپنے مشن کی تبلیغ کی اور صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے دفاع اور وکالت کا حق ادا کر دیا حق تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں کمالات واوصاف سے نوازا تھا، آپ نے ان ساری صلاحیتوں کو تادم آخر دین حق کے فروغ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے صرف فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے خوب کام لیا،تبلیغ وتصنیف کے علاوہ آپ نے ہزاروں علماء کرام کو پاکستان،سعودی عرب،جنوبی افریقہ اور بنگلہ دیش میں تربیت دی اوران کواہل سنت کے مشن کے لیے تیار کیا۔

تحریک تنظیم اہل سنت کے آپ ایک عرصہ تک صدراورآخرمیں سرپرست کے عہدہ پرفائز رہے،تقریباً ستر سال کے لگ بھگ دینی علمی تبلیغی خدمات سرانجام دینے کے بعدنوے سال کی عمرمیں آپ نے مؤرخہ ۶ر صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۱ر دسمبر۲۰۱۲ء بروزجمعۃ المبارک انتقال فرمایا۔آپ کے جانے سے ایک عہد کا خاتمہ ہوااورایک صدی کی تاریخ کی بساط لپٹ گئی۔

آپ کی عبقری شخصیت اورعہدآفریں خدمات کا تقاضہ تھا کہ آپ کی سوانح حیات اورعلمی خدمات کواجاگرکیا جائے تاکہ بعد کےلوگ آپ کے روح پرورحالات وکمالات اور دینی خدمات سے روشناس ہوکران سے مستفید ہوسکیں،اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت آپ کے فرزندارجمنداورجانشین صدرتحریک تنظیم اہل سنت حضرت مولانامحمدعبدالغفارتونسوی مدظلہم سے لی،انہوں نے اپنی تمام ترتبلیغی علمی مصروفیات کے باوجوداس عظیم کاز کی اہمیت کے پیش نظروقت نکال کرایک عظیم کتاب تیارفرمادی جس میں آپ کے خاندانی پس منظرکے ساتھ ساتھ آپ کے تمام ترتفصیلی حالات کونہایت شاندارانداز میں بیان کیا گیاہے۔اس حصہ کےجلی عنوانات یہ ہیں:

حضرت علامہ تونسوی کے آباءواجداد کامختصرتذکرہ۔تذکرہ حضرت علامہ تونسوی، علامہ تونسوی کے چندمناظرے اوران کے موضوعات،تصنیفات وتالیفات،روافض کے عقائدونظریات،روافض اورنکاح موقت،روافض کاعقیدہ تقیہ،سفرآخرت،ملفوظات وارشادات۔

ان جلی عنوانات کےتحت درجنوں ذیلی عنوانات قائم کئے گئے ہیں جن میں متعلقہ

مضامین کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور یہ حصہ تقریباً ساڑھے پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے۔ ان عنوانات میں روافض کے عقائد ونظریات بڑے خاصہ کی چیز ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

چونکہ پہلے خیال تھا کہ حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کے حالات پر مشتمل مجلّہ ''الحقانیہ'' ساہیوال سرگودھا کا ایک خاص نمبر شائع کیا جائے گا چنانچہ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا اور اس نمبر کے لیے مختلف اہل علم وقلم سے حضرت علامہ تونسوی کی شخصیت کے متعلق مضامین بھی لکھوا لیے گئے، پھر مشورہ سے طے ہوا کہ آپ کے حالات مستقل کتاب کی صورت میں شائع کر دیے جائیں فلہٰذا اس تذکرہ کا دوسرا حصہ جس کا آغاز ص ۵۳۷ سے ہو رہا ہے انہی تاثراتی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس طرح یہ تذکرہ اصل سوانح اور تاثراتی مضامین دونوں کو جامع اور ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسرے حصے میں جن حضرات کے مضامین ہیں ان میں محقق اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ صدر الوفاق حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ،حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا زرولی خان، حضرت مولانا زاہدالراشدی، حضرت مفتی حمیداللہ جان صاحب، حضرت مولانا محمد انور اوکاڑوی، حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد قاسم صاحب، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہم اور دیگر بہت سے اہل علم اور صاحب فضل وکمال شخصیات کے مضامین کے علاوہ تعزیتی پیغامات، اخبار و جرائد کا خراج تحسین، اور منظوم خراج عقیدت نیز بعض اہم چیزوں کے عکس بھی دیے گئے ہیں۔

کتابت وطباعت عالی شان اور ٹائٹل جاذب نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو خاص وعام میں

مقبولیت عطا فرمائے، آمین۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ جب حضرت والد صاحب قدس سرہ کے حالات پر مبنی کتاب ''حیات ترمذی'' کے نام سے ۱۴۲۴ھ میں شائع ہوئی، حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان دنوں تحصیل شاہ پور میں پروگرام تھا۔ احقر کتاب لے کر حاضر ہوا حضرت نے کتاب ہاتھ میں لے کر اس کی ظاہری شان وشوکت اور ضخامت کو دیکھ کر احقر کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

''جیسے حضرت شاندار تھے ایسے ہی ان کی سوانح حیات بھی شاندار ہے''۔

''تذکرہ حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ'' دیکھ کر احقر کی زبان پر حضرت کا یہی جملہ مع شئ زائد کے بے ساختہ یوں جاری ہوا:

''جیسے حضرت شاندار اور جاندار تھے ایسے ہی حضرت کا تذکرہ بھی بحمد اللہ شاندار اور جاندار ہے''۔

امید ہے کہ اہل علم اس عظیم تذکرہ اور دستاویز کی قدر فرمائیں گے۔ فقط

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

قیامت

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثت اناوالساعة كهاتين۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں۔(بخاری ومسلم)

تشریح: یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمہ شہادت والی انگلی اور اس کے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا کہ میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دونوں انگلیوں میں۔اس سے غالباً آپ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ سب ختم ہوگئے اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہوگا میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا نہ کوئی نئی امت پیدا ہوگی۔اس لیے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروانہ ہونا چاہئے۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل هٰذه الدنيامثل ثوب شق من اوله الٰى آخره فبقى متعلقابخيط فى آخره فيوشك ذٰلك الخيط ان ينقطع ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا اور یہ آخری دھاگہ بھی بس عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔

تشریح: پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس

کی فکر اور اس کے لیے تیاری کی جائے۔

عن جابر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قبل ان یموت بشهر تسألونی عن الساعة وانما علمها عندالله واقسم بالله ماعلی الارض من نفس منفوسة یأتی علیهامائة سنة وهی حیة یومئذ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو اور اس کا (یعنی اس کے معین وقت کا) علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گزریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے۔ (مسلم)

تشریح: قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی کہ بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ﷺ ہمیشہ اس کے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یعنی یہ کہ اس کے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سب سو سال کے اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا اس کا متعین وقت تو مجھے معلوم نہیں بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے اس لیے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آجائے گی۔

عـن انـس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاتقوم الساعة حتى لايقال فى الارض الله الله وفى رواية لاتقوم الساعة علىٰ احديقول الله الله۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسابراوقت آجائے کہ) بالکل نہ کہاجائے دنیامیں اللہ اللہ۔اوراسی حدیث کوبعض راویوں نے اس طرح نقل کیاہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پرجوکہتاہواللہ اللہ [1]۔(مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جبکہ دنیااللہ کی یاد سےاوراللہ کویاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہوجائے گی اوراللہ کی عبادت اورفرمانبرداری اوراللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کادنیاسے بالکل خاتمہ ہوجائے گا۔جب ایساوقت آئے گااس وقت یہ پوراعالم فناکردیاجائے گاگویااللہ کاذکراوراللہ کے ساتھ بندگی کاصحیح تعلق اس عالم کی روح اوراس کے باقی رہنے کے لیے وجہ جوازیہ ہے جس دن ہماری یہ دنیااس سے بالکل خالی ہوجائے گی اسی دن اپنے پیداکرنے والے چلانے والے کے حکم سےتوڑپھوڑ کربرابرکردی جائے گی۔

عن عبدالله بن مسعودقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتقوم الساعة الاعلى شرارالخلق۔

حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایاکہ: قیامت نہیں قائم ہوگی مگربدترین آدمیوں پر۔(مسلم)

(معارف الحدیث)

....

(۱)بعض علماءکرام نے اس حدیث سےاسم ذات کی صحت اوراس کے ماثورہونے پراستدلال کیاہےاور بلاشبہ یہ استدلال بہت صاف اورصحیح ہےاللہ کی رحمت ہوحافظ ابن تیمیہ پراس مسئلہ پرغورکرتے وقت ان کی نظرغالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔۱۲

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت صوفی علی محمد قدس سرہ

o میں تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو۔ خدا پر توکل کرو ان شاء اللہ یہ سب جھک مار کر تم کو خود لا لا کر دیں گے۔

o میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کر لی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو فارسی میں لوگ دینیات حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہیئے۔

o فقہ کا فن بہت دقیق ہے اسی لیے میں فقہ حنفی کے سوا کسی دوسرے مذہب کی فقہی کتاب طلباء کو پڑھانے کی جرأت نہیں کرتا۔

o الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا۔ ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی قائم نہیں رہتی جلدی زائل ہو جاتی ہے۔

o آج کل طبیعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہے کہ شوق دلانے والے مضامین سے زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت خوف دلانے والے مضامین کے۔ اسی واسطے میں ترہیب کے مضامین زیادہ نہیں بیان کرتا ہوں۔ ترغیب کے مضامین زیادہ بیان کرتا ہوں۔

o میں کھانے پر اصرار کرنے کو بہت برا سمجھتا ہوں کسی کو بے بھوک کھلانا زہر دینا ہے لوگوں میں مرض ہے کہ اصرار کر کے کھلایا کرتے ہیں۔

o بدون تائید سلف کے میں قرآن کے ایک لفظ کی تفسیر بھی گوارہ نہیں کرتا کیونکہ تفسیر بالرائے سے ڈر لگتا ہے۔ ہاں نکات ولطائف بیان کرنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تفسیر میں داخل نہیں بلکہ امر زائد کی تفسیر سے ہیں۔

O بعض اہل تعصب کو ائمہ کی تقلید میں ایسا جمود ہوتا ہے کہ وہ امام کے قول کے سامنے احادیث غیر معارضہ کو بے دھڑک رد کر دیتے ہیں۔ میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک ایسے ہی شخص کا قول ہے: ''قال قال بسیار است مرا قال ابوحنیفہ درکاراست''۔ اس جملہ میں احادیث نبویہ کے ساتھ کیسی بے اعتنائی اور گستاخی ہے خدا تعالیٰ ایسے جمود سے بچائے۔

O جب ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی۔ یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے دوکاندار نہ تھے۔ جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آگیا ہے اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیے۔ واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں۔ افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

O مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ اپنے اقوال کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے۔ بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہوجاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہوگیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمدللہ وہیں ذہن گیا جہاں مقبولان الٰہی کا ذہن گیا تھا۔ اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے جو نعمت صحت مذاق وسلامت فہم کی علامت ہے۔

O فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایک خادم سے فرمایا کہ جب آیا کرو تنہا آیا کرو کسی کو ہمراہ لے کر نہ آیا کرو مجھے خیال ہوا کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس وقت کوئی مصلحت سمجھ میں نہ آئی لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ارشاد نہایت مصلحت پر مبنی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد اور مطلوب جدا ہوتا ہے اور اس کے

موافق اس شخص سے برتاؤ کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ ہو تو بسا اوقات ایک کی رعایت سے دوسرے کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور وہ نامناسب ہوتا ہے چنانچہ تجربہ کے بعد مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

O مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیونکہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا میں زائل ہو جاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔

O فرمایا: میرا بھتیجا شبیر علی میرے پاس رہتا تھا۔ ان کے والد خرچ بھیجتے تھے میں اس کا حساب ان کے پاس روانہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شکایت کی کہ حساب لکھ کر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اس میں مصلحت ہے چنانچہ ان کی سمجھ میں بھی وہ مصلحت آ گئی۔ وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا خرچ تخمین کے موافق نہیں ہوتا۔ تو جب اپنے زعم کے خلاف پیش آوے اور اس کی وجہ معلوم ہو جائے تو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ حکماء عرب کا قول ہے: تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب۔

O میرے پاس کانپور میں ایک پادری آیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ دو سو روپے مجھ کو جمع کر کے دیے جائیں۔ میں نے اس سے کہا کہ پادری صاحب آپ مسلمان ہوں یا نہ ہوں یہاں ایک پیسہ نہ ملے گا۔ اگر اسلام کو آپ ذریعہ نجات سمجھتے ہیں تو پھر روپیہ کیسا؟ مسلمان ہو جائیے۔ اگر نہیں سمجھتے تو پھر آپ کا اسلام ہی کیا ہے۔ ایک مسلمان شخص نے یہ اعلان کیا تھا کہ کہ میں آریہ ہوتا ہوں ورنہ میرے واسطے ایسی لڑکی اور اسی قدر رجمع کر دو۔ چنانچہ بعض بھولے لوگوں نے تجویز کیا۔ مگر اس کے مادہ کی خباثت اور اسلام کی وقعت تو اسی سے معلوم ہو گئی کہ مذہب کو اس نے دنیوی تمتع کے برابر سمجھا۔ مجھے ایسے لوگوں کے بے دین ہو جانے کا کبھی غم نہیں ہوتا بلکہ اس کی مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہوا نکل گیا ایسے خبیثوں کا اسلام میں رہنا خود اسلام کے لیے موجب ننگ ہے بلکہ اگر ایسے خبیث نہ ہوتے تو اسلام نہایت آب وتاب سے چمکتا۔

O ارشاد فرمایا کہ میں دیانات میں تو نہیں لیکن معاملات میں جس میں ابتلائے عام ہوتا ہے دوسرے امام کے قول پر بھی اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتویٰ رفع حرج کے لیے دیتا ہوں اگر چہ حنفیہ کے قول کے خلاف ہو۔اور اگر چہ مجھے اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق اجازت لے لی۔میں نے دریافت کیا تھا کہ: کیا معاملات میں محل ضرورت میں دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے؟ فرمایا کہ: جائز ہے۔

O فرمایا: میرے گھر میں کوئی چیز نہیں جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ یہ میری ہے اور یہ میرے گھر والوں کی۔اس میں بڑی مصلحت ہے اگر ایک مرجائے تو پیچھے شبہ تو نہ ہو کہ کس کی چیز تھی کیونکر میراث تقسیم کی جائے۔حدیث میں آیا ہے کہ تین پیسے کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں صاحب حق کو دلائی جائیں گی لوگوں کے حقوق زیادہ قابل اہتمام ہیں نماز روزہ سے کیونکہ سات سو مقبول نمازوں کی تین پیسے قیمت تجویز کی گئی۔لوگ جو نماز روزہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں حقوق العباد کا وہ بھی نہیں کرتے۔

O فرمایا مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے مریدوں سے اتنی نہیں۔مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں کیونکہ مریدی کا علاقہ محبت ذرا سی بات سے قطع ہو جاتا ہے کہ مبنیٰ اس کا اکثر عوام میں خیال ہے اور وہ بدل گیا اور طالب علمی کا علاقہ محبت قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے اور اطلاع عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی ہے اور علم ہونے تک محبت باقی ہے۔

فرمایا کہ میں نے گھر میں عشاء کے بعد ایسی بات پوچھنے کو کہنے کو منع کر رکھا ہے جس میں سوچنا پڑے کیونکہ نیند جاتی رہتی ہے۔اس سے حدیث کا راز معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد سمر یعنی قصہ اور باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (اشرف المعمولات)

مرسلہ: مولانا سجاد حسین زید مجدہ

ماہ ذوالحجہ کے احکام

افادات: فقیہ الامت حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ

اس ماہ مبارک میں حج ہوتا ہے اس لیے اس کو ذوالحجہ کہتے ہیں (یعنی حج کا مہینہ) اور اس کے احکام یہ ہیں ان سے واقف ہو کر اہتمام کیا جاوے۔

(۱) ذوالحجہ کی یکم سے نہم تک روزے اور دسویں تک شب بیداری۔

(۲) تکبیر تشریق۔

(۳) نماز عید الاضحیٰ۔

(۴) قربانی۔

ان سب کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔ ان احکام میں تین مسئلے خاص طور پر پہلے ہی سے خیال رکھنے کے قابل ہیں۔

اول یہ کہ: قربانی کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کچھ روز پیشتر ہی خرید لینا چاہئے۔

دوسرا یہ کہ: جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ ان دنوں میں یعنی پہلی ذی الحجہ سے قربانی ہونے تک ناخن اور بال نہ بنواوے۔

تیسرا یہ کہ: ذی الحجہ کی چاندرات ہی سے شب بیداری اور پہلی ہی تاریخ سے روزہ رکھنا چاہئے یہ سب اعمال مستحب ہیں۔

نو دن کے روزوں اور شب دسویں تک بیداری کی فضیلت

حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور طاق کی اور جفت کی۔

اس آیت کے متعلق درمنثور میں متعدد سندوں سے روایت درج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا:

اس آیت میں دس راتوں سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے۔اور طاق سے عرفہ کا دن ۔ اور جفت سے قربانی کا دن ۔واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ:

کوئی دن ایسانہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس[۱] دنوں کے عمل سے زیادہ پسند ہو۔(بخاری)

حضرت رسول خدا ﷺ نے ارشادفرمایا کہ:

کوئی دن ایسانہیں ہے جس میں عبادت کرنا خدا تعالیٰ کو عشرۂ ذی الحجہ(کی عبادت) سے زیادہ پسند ہو(کیونکہ)ان میں سے ہرایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔اور ہرایک رات کا جاگنا شب قدر میں جاگنے کے برابر ہے ۔(ابن ماجہ والترمذی وقال اسنادہ ضعیف)

فائدہ

دسویں تاریخ سے تیرہویں تاریخ تک چار یوم کا روزہ حرام ہے اس واسطے اس روزہ کی یہ فضیلت نو تاریخ تک کے لیے ہے اھ۔

ارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ:

میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ (یعنی ذوالحجہ کی نو تاریخ)[۲] کا ایک روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہوجاتا ہے۔(مسلم)

....

(۱)اس میں اختلاف ہے کہ یہ عشرہ ذوالحجہ افضل ہے یا رمضان شریف کا عشرہ اخیرہ۔شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ مختار یہ ہے کہ اس عشرہ کے دن افضل ہیں اور عشرہ اخیرہ کی راتیں۔واللہ اعلم

(۲)بعض جگہ عوام شب براءت کی تیرہویں اور چودھویں کو عرفہ کہتے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔

نیز ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ:

عرفہ کا روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے۔ (ترغیب عن البیہقی والطبرانی باسناد حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے در پے دو سال کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (ترغیب عن ابی یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح)

فائدہ

یعنی ایک سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں گزر چکا اھ۔

اس عشرہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں لکھی ہیں اور انہیں سے معلوم ہو گیا کہ یکم سے نہم تک ہر طرح کی عبادت میں خاص کوشش کرنا چاہئے۔ اور حتیٰ الوسع ان ایام کو صیام وقیام یعنی روزہ اور شب بیداری میں گزارنا چاہئے بالخصوص نو تاریخ کا روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اب آگے ایک حدیث شریف لکھی جاتی ہے۔ جس سے دسویں رات کو جاگنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ:

جو شخص عیدین (یعنی عید الفطر وعید الاضحیٰ) کی دونوں راتوں میں طلب ثواب کے لیے بیدار رہا اس کا دل اس دن زندہ رہے گا جس دن سب کا دل مردہ ہوگا۔ (ترغیب عن ابن ماجہ وقال رواتہ ثقات الا ان بقیۃ مدلس وقد عنعنہ)

علاوہ ازیں جن روایتوں میں اس عشرہ میں نیک عمل اور صیام وقیام کی فضیلت گزر چکی ہے اس سے بھی ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کما لا یخفیٰ۔ واللہ اعلم

تکبیر تشریق

ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے:

نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ (ذی الحجہ) سے افضل ہے اور نہ کسی دن میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس تم ان میں (خصوصیت سے) لاالٰہ الااللہ اوراللہ اکبر کی کثرت رکھو کیونکہ یہ دن تکبیر اور تہلیل کے ہیں۔ (درمنثور عن البیہقی)

فائدہ

یوں تو اس تمام عشرہ میں تکبیر وتہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا لیکن نوتاریخ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز [1] سے ایک مرتبہ تکبیر [2] کہنا ضروری ہے جیسا کہ آثار السنن میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معمول مروی ہے (ونقل عن ابن حجر ان اسنادہ حسن)۔

نیز سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ یوم عرفہ کی فجر سے آخر ایام تشریق کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ (وقال اسنادہ لایحتج بہ وقال ایضاً بعد سرد الطرق وفی روایۃ الثقات کفایۃ واللہ اعلم)۔

نماز عید الاضحیٰ کے احکام

عید اور بقرہ عید کی نماز شہر اور قصبہ اور اس بڑے گاؤں کے لوگوں پر واجب ہے جو قصبہ کے مشابہ ہو جیسا کہ جمعہ اور جس طرح جمعہ چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں اسی طرح عیدین کی نماز بھی جائز نہیں اس لیے چھوٹے گاؤں میں ہرگز نہ پڑھی جائے اور بقرہ عید کے روز سنت یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھاویں پیویں نہیں جو لوگ قربانی کریں ان کے لیے یہ مسنون ہے کہ نماز کے بعد بھی نہ کھائیں بلکہ قربانی کے بعد اپنی قربانی میں سے

---

(۱) مگر عورتیں آہستہ کہیں۔

(۲) تکبیر یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ ۱۲ منہ

کھاویں[1] اور نماز سے پیشتر غسل اور مسواک کر کے اپنے موجودہ کپڑوں میں سے عمدہ ترین کپڑے پہنیں اور خوشبو لگائیں اور جہاں تک ہو سکے جلدی عیدگاہ پہنچیں اور پیدل جاویں اور راستہ میں بآواز بلند تکبیر کہتے رہیں۔ تکبیر وہی ہے جو ایام تشریق کے حاشیہ میں گزری یعنی الله اکبر الله اکبر لاالٰه الاالله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد۔

اور نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھیں کہ بعض فقہاء نے اس کو واجب کہا ہے اور خطبہ کے وقت اسی طرح صف بستہ چپ چاپ بیٹھے رہیں۔ اکثر لوگ خطبہ نہیں سنتے وہ برا کرتے ہیں اور ترک سنت متوارثہ کے وبال میں گرفتار ہوتے ہیں اور جو لوگ خطبہ کے وقت بولتے ہیں سخت گناہگار ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت چپ رہنا واجب ہے۔

پھر جب واپس ہوں تو جس راستے سے گئے تھے اس راستہ سے نہ آویں بلکہ دوسرے راستہ سے لوٹیں اور واپسی میں اگر کسی چیز پر سوار ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔

....

(۱) اس عمل کو ضروری اور روزہ نہ سمجھا جائے۔ (ادارہ)

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب

(۱) میں ۱۹۴۰ء میں ڈھاکہ کی یونیورسٹی میں اپنے استاذ مرحوم کی جگہ بلایا گیا۔ تو ایک دن وائس چانسلر نے مجھ سے سوال کیا کہ ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ میں تعلیم دین اور دینیات کا نصاب دیوبند سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے مگر یونیورسٹی ڈھاکہ اور مدرسہ عالیہ سے ڈھاکہ میں مدرس اول دینیات مدرسہ عالیہ دیوبند جیسے تیار نہیں ہوتے مدارس عربیہ ہندوستان ہی سے بلانے پڑتے ہیں چنانچہ آپ سے پہلے مولانا محمد اسحاق بردوانی اس عہدے پر تھے اس سے پہلے مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی تھے ان سے پہلے بھی مدرسہ عالیہ کا کوئی عالم اس عہدہ پر نہیں رکھا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا کہ: قومی مدارس عربیہ کے طلباء علم کو علم کی طرح اور اللہ تعالیٰ کے لیے حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کے لیے حکومت میں کوئی جگہ نہیں ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ ڈگری کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہی ہے کہ ان سے قابل علماء باعمل پیدا نہیں ہوتے یا بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

افسوس! کہ اب مذہبی قومی مدارس عربیہ کے طلبہ بھی مولوی فاضل پاس کرنے اور سکولوں کالجوں میں معلم دینیات بننے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ علم کو علم کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنے والے کم ہیں۔

(۲) العلم لا یعطیك بعضه حتیٰ تؤتیه كلك۔

آج کل طلبہ میں یہ جذبہ بھی نہیں رہا۔ زیادہ وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں اور مطالعہ تکرار اور کتب بینی بہت کم ہے۔

(۳) ہمارے بزرگوں کو طلبہ کی صرف درسی تعلیم کا اہتمام نہ تھا بلکہ دینی و اخلاقی

اصلاح کا بھی اہتمام تھا۔مولانا سراج احمد صاحب دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا کرتے تھے۔ایک دن درس کے درمیان کوئی جنازہ آ گیا مولانا نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو بہت سے طلبہ وضو کے لیے چلے گئے نماز جنازہ سے واپس آ کر لوگوں نے دیکھا مولانا رو رہے ہیں۔کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا:

''ہم نے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حدیث وتفسیر کا سبق بلاوضو کبھی نہیں پڑھا۔آج کل کے طلبہ بلاوضو یہ اسباق پڑھتے ہیں''۔

حضرت مولانا حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے بڑے بھائی صاحب کو بڑے اہتمام سے گنگوہ بھیجا تھا کہ حضرت کی زیارت کر آؤ اس وقت میری عمر تیرہ برس تھی۔بزرگوں کو اس کا اہتمام ہو طلبہ اہل اللہ کی زیارت وصحبت سے مستفید ہوں۔وہ چاہتے ہیں کہ طلبہ ایام تعطیل رمضان وغیرہ کسی اہل اللہ کی صحبت میں گزاریں۔آج کل طلبہ نے صحبت اولیاء اللہ کا اہتمام چھوڑ دیا۔

(۴) حضرت مولانا محمد مرتضیٰ صاحب چاند پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ:

پہلے زمانہ میں طلبہ کو زمانہ طلَب میں بیعت نہ کرتے تھے مگر اب ضرورت ہے کہ طلبہ کو زمانہ طلَب میں بیعت کر لیا جائے اگر وہ بیعت کی درخواست کریں کیونکہ پہلے زمانہ میں طلبہ کو بغیر بیعت کے بھی دین کا اہتمام تھا آج کل اہتمام نہیں بیعت کے بعد دین کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵) ہمارے اسلاف طلبہ کو محض درس دے کر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک وقت ان کی نصیحت واصلاح کا بھی مقرر کرتے تھے کہ اس وقت طلبہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات سے مستفید ہوں یا ان کے ارشاد سے بزرگوں کے مواعظ وملفوظات ان کے سامنے پڑھیں۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۲۸/رجب ۱۳۹۱ھ

(مقالات عثمانی ص ۳۱۳)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

اختلاف قرا آت اور جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد و الصلاۃ: احقر ناکارہ کو عزیز محترم مولوی حمزہ احسانی سلمہ اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ وہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات باطلہ کے رد میں حال ہی میں اپنے ماہنامہ ''صفدر'' کا ایک خاص نمبر نکالنا چاہتے ہیں جس میں ان کے خلاف جمہور نظریات کا رد کیا جائے گا۔ انہوں نے احقر ناکارہ سے بھی فرمائش کی کہ اس سلسلہ میں کوئی مضمون لکھ دیں ۔ اس مقصد کے لیے عزیز محترم نے غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' بھی ارسال کی، احقر نے اسے مختلف مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ موصوف جہاں اور بہت سے باطل نظریات کے حامل ہیں وہاں وہ قرآن کریم کی متواتر قرا آت کے بھی منکر ہیں۔ قرآن کریم کے خدام میں شامل ہونے کی نیت اور دفاع عن الحق کی غرض سے خیال آیا کہ قرا آت عشرہ کی حجیت اور احرف سبعہ کی تشریح کے عنوان پر کچھ معروضات پیش کر دی جائیں، اس سے عزیز موصوف سلمہ کی فرمائش بھی پوری ہو جائے گی اور احقاق حق و ابطال باطل کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، واللہ الموفق۔

مختلف قرا آت کے متعلق غامدی صاحب کا نظریہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرا آت سبعہ وعشرہ کے بارے میں غامدی صاحب کا نظریہ تحریر کر دیا جائے تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ وہ اس بارہ میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں، چنانچہ ان کی تحریر کے چند اہم اقتباسات ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:

> (۱) قرآن کریم صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے، اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس

وقت تلاوت کر رہی ہے، یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۲) قرآن کی یہی آخری قراءت ہے جسے اصطلاح میں عرضہ اخیرہ کی قراءت کہا جاتا ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قراءت یہی تھی، آپ کے بعد خلفاء راشدین اور تمام صحابہ مہاجرین وانصار اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے، اس معاملہ میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، بعد میں یہی قراءت، قراءت عامہ کہلائی۔

(۴) چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے، ہمارے علماء اسے قراءت حفص کہتے ہیں، درآنحالیکہ یہ قراءت عامہ ہے۔

(۵) مدرسہ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانہ میں قرآن کریم پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔

سبعہ احرف کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(٦) یہ ایک بالکل ہی بے معنیٰ روایت ہے جسے اس بحث میں ہرگز قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے۔

(۷) یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں، یا مدرسہ میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے

اختیار کر رکھی ہیں وہ سب انہی فتنوں کی باقیات ہیں، جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ (میزان ص ۲۷ تا ۳۲)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ قراآت سبعہ وعشرہ کے بارہ میں غامدی صاحب کا نظریہ بھی وہی ہے جو روافض اور اہل تشیع کا ہے کہ قرآن کریم کی قراءت صرف اور صرف ایک ہے جیسا کہ اصول کافی میں ہے۔

غامدی صاحب کی ''تحقیق انیق'' سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا متن دوسری قراآت کو قبول ہی نہیں کرتا اور سبعہ احرف کی روایت جس پر اختلاف قراآت مبنی ہے وہ حدیث سرے سے بالکل بے معنیٰ ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، نہ ہی یہ حدیث بے معنیٰ ہے اور نہ ہی قرآن کریم کا متن ان قراآت کے قبول کرنے سے آبی ہے، صحیح یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ قراآت تواتر سے ثابت ہیں اور معنیٰ کے اعتبار حدیث سبعہ احرف بھی متواتر ہے، اسے بے معنیٰ قرار دینا خود بے معنیٰ اور غلط ہے، پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ روایت حفص کو غامدی صاحب قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسے بہ نسبت دیگر روایات اور قراآت کے زیادہ مقبولیت ہونے کی وجہ سے قرآن کریم قرار دے کر دیگر قراآت کا انکار فرما رہے ہیں۔

روایت حفص کو قراءت کہنا اور دیگر قراآت کا انکار کرنا سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے غامدی صاحب کی لاعلمی کے سوا کس عنوان سے تعبیر کیا جائے، علم قراآت کے ادنیٰ طالب علم کو بھی یہ حقیقت معلوم ہے کہ یہ روایت ہے، قراءت نہیں ہے اور یہ کہ قرآن کریم اس روایت میں منحصر نہیں ہے بلکہ عرضہ اخیرہ میں جو قراءتیں باقی رکھی گئیں تھیں یہ سات بلکہ دس قراءتیں ان میں شامل ہیں۔

مدرسہ فراہی کے اکابر اہل علم کا قراآت سبعہ اور عشرہ کو قرآن کے متن سے خالی قرار دینا انتہائی افسوس ناک ہے۔ یہ ایسا مفروضہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو جو قراءت

حفص اب پڑھی جاتی ہے، آپ ﷺ کی بھی یہی قراءت تھی، خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام بھی اس کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، ایک ایسا دعویٰ ہے جس پر دلیل نام کی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ قراآت مختلفہ خود حضور پاک ﷺ اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پڑھی گئیں۔ان کو پرفتن زمانہ کی باقیات قرار دینا سراسر غلط اور تاریخ قراءت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔کوئی قراءت اس وقت تک قراءت کہلا ہی نہیں سکتی جب تک اس کی سند جناب نبی کریم ﷺ تک تواتر سے ثابت نہ ہو یہ سب قراآت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ سے ثابت اور بلاشبہ قرآن ہیں اور ان سب کا نمازوں میں پڑھنا صحیح اور جائز ہے۔

جن حضرات علماء کرام نے حدیث سبعہ احرف کے معنیٰ میں بحث کی ہے ان میں سے کسی نے بھی قراآت قرآنیہ سبعہ وعشرہ کا انکار نہیں فرمایا، یہ غامدی صاحب کا اپنا فلسفہ ہے کہ وہ اختلافی ابحاث کی حقیقت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر قراآت عشرہ کی حجیت کا انکار کر رہے ہیں فیاللعجب۔

اس تمہیدی مضمون کے بعد ہم اب یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ضابطہ قراءت بیان کر دیا جائے ،اس کے بعد سبعہ احرف کی تفصیلی بحث ذکر کی جائے گی اور آخر میں حضرت القاری المقری فضیلۃ الاستاذ حضرت مولانا قاری طاہر صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظیم کتاب ''دفاع قراآت'' سے قراآت کے سماعی اور توقیفی ہونے کی عظیم الشان بحث کا خلاصہ نقل کیا جائے گا۔ان دونوں بحثوں سے غامدی صاحب اور دیگر منکرین قراآت عشرہ کے شبہات کا کافی وافی شافی جواب ہو کر روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے گا کہ قراآت مختلفہ یقیناً قرآن ہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔

اب قارئین کرام اسی ترتیب کے مطابق اصل مضامین ملاحظہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ نافع ومفید اور مقبول بنائیں، آمین۔

قراءاتِ عشرہ کا تواتر اور حدیثِ سبعہ اَحرف کی تشریح

الحمدلله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

ضابطہ قراآت

ضابطہ قراءات کے متعلق شیخ القراء حضرت قاری محی الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سبعہ قراءات میں تحریر فرماتے ہیں:

جو قراءت عربیت کے موافق ہو، اگرچہ یہ موافقت بوجہ ہو، اور مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت اِحتمالاً ہو، اور سند صحیحہ متصلہ سے ثابت اور ائمہ فن کے یہاں مشہور ہو، وہ قراءۃِ صحیحہ اوران احرف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا۔ محقق کہتے ہیں جو قراءت اس طرح ثابت ہو اُس کا اِنکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے خواہ ائمہ سبعہ کی قراءات میں سے ہو یا عشرہ کی یا مافوق عشرہ کی، اور اگران اَرکانِ ثلاثہ میں سے کوئی رکن مختل ہوجائے تو وہ ضعیف، شاذ اور فاسد و باطل ہے خواہ سبعہ میں سے ہو یا مافوق سبعہ سے، تمام محققین ائمہ سلف وخلف اس تعریف کو صحیح کہتے ہیں۔ ابوعمرو دانی، ابومحمد مکی اور مہدوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی تصریح کی ہے۔ باقی تمام متقدمین کا بھی یہی مذہب ہے اوران میں سے کوئی بھی اِسکے خلاف نہیں۔ ابوشامہ المرشد الوجیز میں کہتے ہیں:

ہر اس قراءۃ کو جو ائمہ سبعہ کی جانب منسوب ہو اور صحیح کہلاتی ہو اسے اسی وقت منزل من اللہ اور صحیح کہہ سکتے ہیں جب وہ اس ضابطہ میں آجائے الخ (ص ۱۰۴)

قرآن میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

(ا) جس میں اَرکان ثلاثہ مجتمع ہوں اس کی صحت وصدق پر قطعی حکم لگایا جائے گا اوراس کو پڑھا جائے گا، کیونکہ بلحاظ مصحف وہ اِجماع سے لی گئی ہے اوراس کا منکر کافر ہے۔

(۲) آحاد (ثقہ) سے منقول ہو اور عربیت کی کسی وجہ کے مطابق ہو مگر رسم کے خلاف ہو۔ اس کو قبول کیا جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا، کیونکہ:

اَوّلاً: تو اس کو اِجماع سے نہیں آحاد سے لیا گیا ہے اور خبرِ واحد سے قرآن ثابت نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: وہ اس کے خلاف ہے جس پر اِجماع ہو چکا ہے لہٰذا اس کی صحت کا قطعی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اور جس کی صحت کا حکم نہ کریں اس کو قرآن میں پڑھ نہیں سکتے اور نہ اِس کا منکر کافر ہے مگر بلاشک اِنکار بُرا ہے۔

ثالثاً: لغت وعربیت سے، جس پر قرآن نازل ہے، بہر وجہ خلاف اگر ثقہ سے مروی ہو، وہ نہ قبول کی جائے گی اور نہ پڑھی جائے گی۔ (ص ۱۰٦)

نیز محقق کہتے ہیں:

بعض متاخرین نے صحتِ قراءۃ کے لیے رسم وعربیت کی موافقت کے ساتھ تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحتِ سند کو کافی نہیں سمجھا وہ کہتے ہیں کہ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہوسکتا مگر ان لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب کوئی حرف تواتر سے ثابت ہوجائے تو اس کے لیے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی بلکہ اس کا قبول کرنا بلا شرط واجب ہے، کیونکہ وہ قطعاً قرآن ہے لیکن جب ہم حروف کے لیے تواتر کی شرط لگا دیں تو قراءِ سبعہ کی بہت سی اختلافی وجوہ مرتفع ہوجائیں گی پہلے میرا بھی یہی خیال تھا مگر جب مجھے اس کی خرابی معلوم ہوئی تو میں نے ائمہ سلف کی رائے کی جانب رجوع کرلیا۔ الخ

نتیجہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

(ا) باجماع متواتر۔

(۲) ایک جماعت کے نزدیک متواتر کی پہلی قسم میں کوئی اِختلاف نہیں ہوسکتا اور دوسری قسم جن حضرات کو تواتراً پہنچی اُن کے طرق کا اس پر اِجماع ہونا چاہئے، ان دونوں

اَقسام کے حروف کیلئے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی، مگر ناممکن ہے کہ یہ عربیت کی کسی وجہ اور رسم کے اِحتمالاً مطابق نہ ہوں اور اگر بالفرض محال خلاف ہوں تب بھی کوئی پرواہ نہیں۔

(۳) صحیح ومشہور، جن کو حضور نبی کریم ﷺ سے ثقات وضابط وعادل بسندِ متصلہ رِوایت کریں اور ائمہ فن کے نزدیک مشہور ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو۔ اس کو اسی شرط سے قبول کیا جائے کہ وہ اس ضابطہ کے موافق ہو ورنہ ضعیف وشاذ وباطل ہے۔ کما مَرَّ

جمہور اہلِ اَدا اور اَکثر اَئمہ قراءۃ نیز فقہاء وغیرہ کے نزدیک قراءۃِ شاذہ سے نماز درست نہیں بلکہ شاذ کو قرآن اعتقاد کرکے یا بایہام قرآنیت پڑھنا بھی حرام ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں اس پر اِجماع نقل کیا ہے۔ مدوّنہ میں کہتے ہیں :

جو شخص حضرت ابن مسعود کی قراءت پڑھتا ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں اگر کوئی پڑھ لے تو اِعادہ کرے۔ یہی ابن شاسی اور ابن حاجب کہتے ہیں لیکن اَحکام شرعیہ اور اَدبیت کے لحاظ سے اُن کا پڑھنا اور مدوّن کرنا جائز ہے۔ الخ (ص ۱۰۹)

حدیثِ سبعہ اَحرف کی تفصیلی بحث

حضورِ اکرم ﷺ کا اِرشادِ گرامی: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَئُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (صحیح البخاری:۴۹۹۸)

حدیثِ متواتر ہے اور محقق ابن الجزری نے اس پر مستقل رِسالہ تحریر فرمایا ہے اس حدیث پاک کو حضرت عمر، حضرت ہشام بن حکیم بن حزام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت اُبی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت اَبوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت اَبوسعید خدری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت اَبوبکرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت زَید بن اَرقم، حضرت اَنس بن مالک، حضرت سمرۃ بن جندب، حضرت عمر بن اَبی سلمہ، حضرت اَبوجہم، حضرت اَبوطلحہ اور حضرت اُم اَیوب

اَنصار یہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رِوایت کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک روز منبر پر کھڑے ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا میں اِن حضرات کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ اَلفاظ سنے ہوں إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلىٰ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ وہ کھڑے ہوجائیں۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہوگئی کہ جس کی گنتی نہیں ہوسکتی اور سب نے اس پر گواہی دی پھر حضرت عثمان نے فرمایا میں بھی اِس پر گواہ ہوں۔

اَحادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کی درخواست پر اُمت کی سہولت کے واسطے قرآن کریم اَحرفِ سبعہ پر نازل فرمایا تھا کہ ہر بوڑھا، بچہ، مرد، عورت اپنے اپنے لغت پر تلاوت کرسکے۔

علامہ دانی کی تحقیق کے مطابق قراءت کا ایک معنی لغات بھی ہے۔

اکثر محققین اور اَہل اَدا کے نزدیک اَحرف کا مقصد لغات مختلفہ ہیں، اور یہ صواب معلوم ہوتا ہے مگر اس پر اِجماع ہے کہ ہر حرف سات طرح نہیں پڑھا جاتا اور اس پر بھی اِجماع ہے کہ اس کا مدلول قراءِ سبعہ مشہورہ کی قراءات نہیں ہیں، جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔ نیز اس پر بھی اِجماع ہے کہ ان کی قراءاتِ اَحرف سبعہ میں داخل ہیں، چونکہ عرب کی لغات فصیحہ سات تھیں، اس لیے اُنہیں اَحرفِ سبعہ سے تعبیر کیا گیا جب کہ بعض کے نزدیک خاص عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اَحرف سبعہ سے مراد قراءِ سبعہ کی قراءات ہیں۔ یہ وہم ہے، کیونکہ قراءِ سبعہ کا حضورِ اکرم ﷺ کے عہدِ اَقدس میں کوئی وجود نہیں تھا۔

حضرت ابن عامر (۲۱ھ) میں، امام ابن کثیر (۴۵ھ) میں، امام عاصم بھی اس کے قریب، حضرت امام نافع (۷۰ھ) میں اور حضرت امام کسائی تقریباً (۱۱۹ھ) میں پیدا ہوئے، ابن عامر نے کبار تابعین اور بعض صحابہ کرام سے اور حضرت اِمام عاصم نے کبار

تابعین سے حضرت ابن کثیر نے تابعین اور صغار صحابہ کرام سے اِمام نافع نے تابعین سے ابوعمرو حمزہ نے تابعین کے آخری طبقہ سے اور حضرت امام کسائی نے تبع تابعین سے قراءات پڑھیں اور ان حضرات کا زمانہ باعتبار اکثر دوسری صدی کا دور ہے۔ حضرت صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں ان کی قراءات موجود نہ تھیں۔

قراءاتِ سبعہ جن پر شاطبی نے اِقتصار کیا اور قراءاتِ ثلاثہ یعنی اَبوجعفر ویعقوب وخلف کی قراءتیں متواترہ، معلومہ اور ضرورتِ دین سے ہیں اور اسی طرح ہر وہ حرف جس کو عشرہ میں سے کوئی روایت کرے نبی کریم ﷺ پر منزل من اللہ اور ضروریاتِ دین سے ہے۔ اور یہ قراءات صرف انہی اَشخاص کے لیے متواتر نہیں ہیں جنہوں نے ان کو روایۃً پڑھا ہو بلکہ ہر مسلمان کے لیے، جو کلمہ اَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ کہے خواہ ایسا عامی ہو جس نے قرآن کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو، متواتر ہیں۔ (ص ۱۲۴)

عنایاتِ رحمانی میں اِمام القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ اِرشاد فرماتے ہیں:

علامہ دانی، اکثر محققین اور جمہور اہل اَدا کی رائے کے مطابق سات حروف سے سات لغات مراد ہیں، ان کے خیال کے مطابق ان سات قراءِ سبعہ کی قراءتیں مراد نہیں ہیں، کیونکہ جب نبی نے سات حروف کی حدیث اِرشاد فرمائی تھی اس وقت قراءِ سبعہ تو پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ان کی قراءتوں کو سب سے پہلے چوتھی صدی میں ابوبکر ابن مجاہد نے جمع کیا، قراءِ سبعہ کی قراءتیں بھی ان سات حروف میں داخل ہیں۔ (ص ۲۹ ج ۱)

حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانی اپنے رسالہ "تشنیف السمع بمعنی الأحرف السبع" میں رقمطراز ہیں:

الف: جبریل علیہ السلام نے اولاً ایک ہی طریقہ پر حضور کو قرآن پڑھایا۔

ب: پھر حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ اُمت کو بھی اسی طریقہ پر قرآن پڑھائیں۔ حضورِ

اکرم ﷺ نے درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی کی جائے میری اُمت اس سے عاجز ہے۔تو سات طریقوں سے پڑھنے کی اِجازت دی گئی۔ یہ درخواست حضور ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر ہجرت کے بعد کی ہے، جبکہ اہلِ عرب اِسلام میں کثرت سے داخل ہونے لگے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے صرف ایک ہی طریقہ پر قراءت تھی۔

ج: رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں اُمی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہوں جن میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے لکھا پڑھا نہیں، اوران میں بوڑھی عورتیں، بوڑھے مرد اور لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں (جو اپنی زبان کو جلدی نہیں بدل سکتے)۔

د: اَب یہ گفتگو باقی رہی کہ سبعہ اَحرف (یعنی ان سات طریقوں) سے کیا مراد ہے، جن کی ہجرت کے بعد اِجازت دی گئی، اور وہ طریقہ کون سا تھا جس پر اَولاً قرآن نازل ہوا، سو محققین اُمت کا قول یہ ہے کہ قرآن اَوّلاً قریش کے لغت پر نازل ہوا، جو رسول اللہ ﷺ کی قوم کی زبان تھی چنانچہ قرآن میں بھی اِرشاد ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (ابراھیم ٤)

ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی ہی زبان میں تا کہ اُن کو سمجھا سکے۔

حضور ﷺ کی قوم قریش تھی، پس ضروری ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا اور حدیث میں بھی حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا قول موجود ہے کہ قرآن لغتِ قریش میں نازل ہوا ہے۔

پس اَوّلاً قرآن کا نزول لغتِ قریش میں ہوا اور ہجرت سے پہلے چونکہ اِسلام لانے والے زیادہ تر اَہل مکہ تھے جو سب قریش تھے یا قریش کی زبان میں تکلم کرنے والے تھے، اس لیے عرب کے دوسرے لغات میں پڑھنے کی ضرورت نہ تھی، پھر ہجرت کے بعد چونکہ دوسرے قبائل عرب بھی اِسلام میں داخل ہونے لگے تھے اور گو تمام قبائل عرب کی مشترک زبان عربی تھی، مگر تلفظ واعراب میں بہت کچھ اِختلاف تھا مثلاً قریش حَتّٰی حِیۡنٍ

کو حاء سے پڑھتے تھے اور ھذیل عَتّٰی حِیۡنٍ عین کے ساتھ پڑھتے تھے، قریش اِنَّـآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (الکوثر:۱) پڑھتے، اور بعض قبائل اَعۡطَیۡنَاکو اَنۡطَیۡنَا پڑھتے یعنی بجائے عین کے نون اَدا کرتے تھے، لغتِ قریش میں حروف مضارع کو فتح یا ضمہ ہوتا ہے بعض قبائل ان کو کسرہ سے پڑھتے تھے مثلاً: تَعۡلَمُوۡنَ کو تِعۡلَمُوۡنَ کہتے، لغت قریش میں ہمزہ بھی ایک حرف ہے اور بعض قبائل ہمزہ بالکل اَدا نہ کرتے تھے، (اور اس اِختلاف کی نظیر ہر زبان میں موجود ہے، مثلاً دہلی اور لکھنؤ کی اُردو زبان میں اختلاف ہے، ایک کھارا پانی کہتا ہے ایک کھاری پانی بولتا ہے، کوئی میٹھا دہی کہتا ہے کوئی میٹھی دہی، اسی طرح کسی جگہ چھاچھ بولتے ہیں کہیں مٹھا کسی جگہ چھالیہ بولتے ہیں کہیں ڈلی یا سپاری کہتے ہیں، دہلی والے عموماً ہاء کو یاء بولتے ہیں، مثلاً میں جا رہا تھا میں یہ کہہ رہا تھا اور لکھنؤ والے اس طرح نہیں بولتے) اور قاعدہ ہے کہ مادری زبان کا دفعۃً بدل جانا دشوار ہے، گو پوری کوشش اور اِہتمام سے کام لیا جائے تو ممکن ہے، مگر قدرے دشوار ضرور ہے خصوصاً ایسی قوم کے لیے جس میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ ہو، بلکہ محض سننے سنانے پر مدار ہو۔ اور ان کے یہاں قرآن کا مدار محض اسی پر تھا، لکھنے پڑھنے والے بہت کم تھے، بس جتنا قرآن جس کے پاس تھا وہ حفظ ہی میں تھا، اور اس حالت میں دوسرے قبائل اپنے تلفظ ہی کے موافق قرآن کو پڑھتے تھے دفعۃً لغت قریش اور تلفظ قریش کو اَدا نہ کر سکتے تھے جیسا کہ لکھنؤ والا دفعتاً دلّی کے محاورات میں گفتگو نہیں کر سکتا، اگر وہ اُردو کا کوئی مضمون لکھ کر دیکھ کر نہ پڑھے بلکہ یادداشت سے پڑھے تو ضرور اپنے لکھنوی تلفظ اور محاورات سے اس کو اَدا کرے گا، ہاں کوشش کے ساتھ یاد کرنے سے بہت جگہ دہلی کے محاورات کو ملحوظ رکھنا ممکن ہے، لیکن کہیں کہیں اس کی مادری زبان کا تلفظ بھی ضرور اَدا ہو گا۔

اس لیے حضور ﷺ نے اس سے درخواست کی کہ چونکہ اَہلِ عرب زیادہ تر اُمّی ہیں اور اُن کے تلفظ و اعراب مختلف ہیں تو دفعۃً سب کو لغتِ قریش کا مکلّف کرنے میں

اَندیشہ ہے کہ ان سے ان میں کوتاہی ہوگی اور اس کوتاہی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوں گے، اس لیے اس میں توسیع فرمائی جائے، چنانچہ درخواست منظور ہوئی اور سات طریقوں سے قرآن پڑھنے کی اِجازت دی گئی اور ان سات طریقوں سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، جن کے نام بھی روایات میں مذکور ہوئے ہیں، یعنی اس کی اِجازت دی گئی کہ جو شخص لغتِ قریش میں قرآن کا تلفظ نہ کر سکے وہ ان قبائل میں سے کسی قبیلہ کے تلفظ میں قرآن کے الفاظ کو اَدا کر لیا کرے اور غالباً سات لغات میں اِنحصار اس لیے کیا گیا کہ ان کے سوا دوسرے قبائل کا تلفظ فصیح نہ تھا، یا یہ کہ ان قبائل کے تلفظ کے تابع دوسرے قبائل تھے، اس لیے زیادہ توسیع کی ضرورت نہ تھی، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لغتِ قریش کے علاوہ جو چھ لغات ان میں تھے ان میں حقیقۃً قرآن کا نزول نہیں ہوا، بلکہ حقیقی نزول لغتِ قریش میں تھا، مگر چونکہ سہولت کے لیے دوسرے چھ قبائل کے تلفظ میں بھی قرآن پڑھنے کی اِجازت دے دی گئی تھی اس لیے حکماً وہ بھی منزل من اللہ ہو گئے۔

فکل ما ورد فيه أن القرآن أنزل على سبعة أحرف، أو قال لرجلين قرائتهما مختلفة هكذا أنزلت محمول على التوسع فى الكلام بطريق التجوز، أى أن كلها منزلة حكماً۔

نیز رِوایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سات لغات میں پڑھنا ہر شخص کی رائے پر نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے سن کر پڑھنے کی اِجازت تھی، حضور ﷺ نے خود دوسرے لغات میں پڑھا کر بتلایا تھا کہ لغتِ قریش کے سوا ان لغات میں اس طرح بھی پڑھنا جائز ہے۔

ھ: بخاری کی حدیث میں فاقرء وا ما تيسر منه سے مفہوم ہوتا ہے کہ لغت قریش کے علاوہ دوسری لغات میں پڑھنا واجب نہ تھا صرف جائز تھا اور اس کا منشا وہی ہے کہ دوسرے لغات کی اِجازت سہولت اور تیسیر کے لیے دی گئی تھی۔

و: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا کہ قرآن کا نزول اَوّلاً لغتِ قریش

میں ہوا ہے اور ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں تیرہ سال تک ایک ہی قراءت اور ایک ہی لغت میں حضور ﷺ کو قرآن پڑھایا گیا اور حضور ﷺ نے بھی ایک ہی لغت میں مسلمانوں کو قرآن سکھلایا، پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے اس میں توسع کی درخواست کی جو منظور ہوئی، ان سب اُمور کو صحابہ جانتے تھے کہ قرآن کی اَصلی لغت، قریش کی لغت ہے اور دوسری لغات کی اِجازت عارضی بغرض تیسیر ہے اور جو حکم عارضی کسی خاص غرض کے لیے ہوتا ہے وہ حصولِ غرض تک محدود ہوتا ہے، پس جب غرض حاصل ہوگئی اور اہلِ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہوگیا، ادھر دوسرے قبائل کا اِختلاط بھی قریش سے زیادہ ہوگیا اور اب سب کو لغتِ قریش میں قرآن پڑھنا آسان ہوگیا ہے، ادھر یہ دیکھا گیا کہ جن لغات میں قرآن پڑھنے کی اِجازت، سہولت وتیسیر کے لیے دی گئی تھی اب ان کا باقی رکھنا موجبِ اختلاف اور سبب فتنہ بن رہا ہے کہ دوسرے قبائل کے لوگ اپنے ہی طریقہ کو صحیح اور دوسرے طریقوں کو غلط کہتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں تو صحابہ نے اِجماع کے ساتھ اس پر اِتفاق کرلیا کہ اب دوسری قراءتوں کو باقی رکھنا مناسب نہیں، بلکہ قرآن کو صرف لغت قریش پر جمع کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عثمان کے زمانے میں تمام اَجلّہ صحابہ کے اتفاق سے صرف ایک قراءت اور ایک ہی لغت پر قرآن جمع کیا گیا کہ یہی قرآن کی اصلی زبان تھی اور بقیہ زبان میں قرآن کا پڑھنا بند کردیا گیا کہ وہ عارضی زبان تھی جو خاص غرض کے لیے جائز کی گئی تھی اور اب وہ غرض حاصل ہوگئی۔

ز: اِس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ اَحرفِ سبعہ سے مراد وہ قراءاتِ سبعہ نہیں ہیں جو اس وقت قراء میں رائج اور شاطبیہ وغیرہ میں مدوّن ہیں، کیونکہ یہ قراءاتِ سبعہ سب کے سب لغت قریش کے موافق ہیں، دوسرے لغات عرب ان میں موجود نہیں ہیں۔ رہا یہ سوال کہ لغت قریش میں قراءاتِ سبعہ کیوں ہیں، ایک ہی قراءت کیوں نہ ہوئی، سو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو پوری طرح کون سمجھ سکتا ہے۔ لیکن محققین کی برکت سے جو حکمت معلوم ہوتی

ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔ اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ تھوڑے لفظوں میں بہت سے اَحکام بیان ہوجاتے ہیں، اگر اختلاف قراءات نہ ہوتا تو اس حکم کے لیے جو قراءات کے اِختلاف سے ظاہر کیا گیا ہے، مستقل آیت نازل ہوتی، اور اس طرح قرآن بھی انجیل و تورات کی طرح ضخیم کتاب کی صورت اِختیار کر جاتا، اور قرآن کے حفظ میں دشواری ہوجاتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اَحکام کو ایک ہی آیت میں چند قراءتیں نازل کرکے بیان فرمادیا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ قرآن کو معجزہ قرار دیا گیا تھا اور بلغاء و فصحاء عرب سے اس کی نظیر کا مطالبہ کیا گیا تھا اور عام طور پر انسان کے کلام بلیغ و فصیح کا حال یہ ہے کہ اگر اس میں کچھ تغیر کیا گیا تو اس کی فصاحت و بلاغت میں فرق آجاتا ہے، اور یہ تو ضرور ہے کہ تغیر کے بعد دونوں میں ایک درجہ کی بلاغت نہیں رہتی بلکہ ایک میں فصاحت زیادہ دوسرے میں کم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہمت پست کرنے کے لیے قرآن میں بعض الفاظ کو کئی کئی طرح استعمال فرمایا اور دکھلادیا کہ کسی کی فصاحت و بلاغت میں ذرہ برابر فرق نہیں اور جس طرح بھی پڑھا جائے ہر حالت میں یہ کلام معجزہ ہے اور یقیناً یہ اَمر متکلم کی اعلیٰ درجہ کی قدرت کلامی کی دلیل ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت پیدا کرنے میں ایک ہی طرز کا محتاج نہیں بلکہ وہ کئی کئی طرح تکلم کرکے بھی کلام کو ایک ہی درجہ پر فصیح و بلیغ رکھ سکتا ہے۔ رہا یہ کہ وہ خاص خاص اَلفاظ کہاں کہاں قرآن میں وَارِد ہیں تو اس کے معلوم کرنے کی ضرورت اب نہیں رہی، کیونکہ حضرت عثمان ہی کے زمانہ میں تمام اَہل عرب قرآن کو لغتِ قریش میں پڑھنے پر قادر ہوگئے تھے اور یہ حالت دیکھ کر صحابہ نے قرآن کو لغت قریش ہی پر جمع کیا اور بقیہ لغات کو جمع نہیں کیا بلکہ ان میں قرآن کے پڑھنے سے لوگوں کو روک دیا گیا، کیونکہ اس کی اِجازت عارضی تھی اور اب ضرورت باقی نہیں رہی جیسا کہ اُوپر تفصیل کے ساتھ اس کے دلائل مذکور ہوچکے، قراءت منزل من اللہ صرف ایک تھی، یعنی لغتِ قریش اور حضور ﷺ کی درخواست سے جو دوسرے لغات عرب میں قراءت کی

اجازت مل گئی ان کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حضور ﷺ نے بیان فرمادیا اس لیے وہ بھی حکماً منزل تھیں، حقیقۃً ان کا نزول نہیں ہوا، اور نہ ان کے نزول کی ضرورت تھی، کیونکہ اہلِ عرب خود جانتے تھے کہ اس لفظ کو قریش کس طرح بولتے ہیں اور دوسرے قبائل کس طرح۔

نیز حضور ﷺ بھی تمام لغات عرب سے واقف تھے کہ وہ کہاں کہاں قریش کے تلفظ سے اختلاف رکھتے ہیں اور اس پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے برابر مخلوق کا کلام نہیں ہوسکتا، پھر کلام الٰہی میں حضور ﷺ نے کیوں دخل دیا، کیونکہ حضور ﷺ کا یہ دخل خدا تعالیٰ کی اجازت سے تھا، اور اس دخل کا حاصل یہ نہیں تھا، کہ کلام الٰہی میں زیادت یا کمی کی گئی، بلکہ کلامِ الٰہی کے الفاظ میں دوسرے قبائل کو اِجازت دی گئی کہ وہ ان کو اپنے تلفظ کے موافق اَدا کرلیں، جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ جب تک ان کا تلفظ صحیح ہو اس وقت تک الحمد کو الھمد اور انعمت کو انامت اور غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کو غیر المغذوب علیھم ولاالدوالین پڑھ لیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنے غلط تلفظ میں بھی کلام الٰہی کو ہی پڑھتے ہیں، کوئی اور کتاب نہیں پڑھتے، یہی حال اس تلفظ کا تھا جس کی اِجازت حضور ﷺ کی دعا سے ہوئی کہ سات لغات میں قرآن کو پڑھ لو، اِتنا فرق ہے کہ اہلِ عرب کے تلفظ میں کہیں لفظ بدلتا تھا، کہیں اِعراب بھی بدلتے تھے۔

رہا یہ سوال کہ قراءات منزل من اللہ میں کیا تکلیف تھی الخ، تو اس سوال کا جواب ہمارے ذِمہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس تکلیف کا احساس فرمایا اور اس کو تکلیف سمجھا، ہمیں اگر اس کا احساس نہ ہو تو ہمیں اس کے سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی میں نے تبرعاً اس کی اُوپر مثال لکھ دی کہ جیسے دہلی والوں کے لیے لکھنؤ کا تلفظ اِختیار کرلینا دفعتاً سہل نہیں، یہی حال قبائلِ عرب کا تھا، رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ:۲۸۶) تو حق تعالیٰ نے اس تکلیف کا لحاظ کیوں نہیں فرمایا، کہ حضور ﷺ کی

دعا کی ضرورت ہوئی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لغت میں سب قبائل کا قرآن پڑھنا گو دشوار تھا مگر قدرت واختیار سے باہر نہ تھا اگر قدرت واختیار سے باہر ہوتا تو بعد میں سب کو لغت قریش کیونکر آسان ہوگیا اور یقیناً جو کام انسان ایک مہینہ کے بعد کر سکتا ہے وہ پہلے دن بھی اس کے اختیار سے باہر نہیں گو پہلے دن میں اس کا بجالانا زیادہ دشوار ہو، پس حق تعالیٰ کا حکم لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ :۲۸۶) کے خلاف ہرگز نہ تھا البتہ حضور ﷺ نے اس میں زیادہ سہولت کی درخواست کی۔اور اگر فرض کرلیا جائے کہ لغتِ قریش کا دفعۃً سیکھ لینا دیگر قبائل کی قدرت سے خارج تھا تب بھی اللہ تعالیٰ کا حکم لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ۲۸۶) کے خلاف نہ تھا، کیونکہ اس صورت میں ایک قراءت کے واجب ہونے کا حاصل یہ ہوتا کہ جب تک یہ قراءت صحیح طور پر حاصل نہ ہو اس وقت تک نمازیں درست نہ ہوں گی، بعد میں ان نمازوں کی قضا واجب ہوگی اور یہ قدرت سے باہر نہ تھا ہاں اُمت پر گرانی ہوتی، حضور ﷺ نے اس کو رفع کرنا چاہا۔ یا اس کا حاصل یہ ہوتا کہ جو قبائل قرآن کو قریش کے تلفظ میں اَدا نہیں کر سکتے وہ جب تک قریش کے تلفظ کو نہ سیکھ لیں اس وقت تک خود قرآن نہ پڑھیں، نہ ایسا شخص اِمام بنے، بلکہ ان قبائل کو چاہئے کہ وہ کسی قریشی مسلمان کو اپنے یہاں لے جاکر رکھیں، اس سے قرآن سنا کریں اور اسی کو امام بنایا کریں۔ یہ قدرت سے باہر تو نہ تھا مگر گراں ضرور تھا۔حضور ﷺ نے اس مشکل کے رفع کی درخواست کی، جیسا کہ پچاس نمازوں سے پانچ تک تخفیف کی درخواست کی تھی لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ :۲۸۶) کے خلاف وہ حکم بھی نہ تھا، کیونکہ پچاس نمازیں قدرت سے باہر نہیں ہاں گرانی ضرور ہوتی اسی طرح اس کو سمجھو۔ (امداد الاحکام: ص۲۶۳ تا ۲۶۷، ص۲۶۹ تا ۲۷۱)

اَحرفِ سبعہ سے متعلق ایک دوسرا نظریہ

حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی بیان کردہ اس تفصیل سے قراءاتِ عشرہ کی حجیت و

قطعیت اور قرآنیت واضح ہے اور ساتھ ہی حدیثِ سبعہ اَحرف کی جو تشریح آپ نے فرمائی ہے اس کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس سے مراد مختلف قبائل کی لغات ہیں۔ قرآن کریم کا حقیقی نزول اگرچہ ایک ہی لغت، لغت قریش پر ہوا لیکن اُمت کی تیسیر اور آسانی کے لیے اُنہیں اِبتداء میں دیگر لغات میں پڑھنے کی اِجازت بھی دے دی گئی تھی، اس طرح ان کا نزول حکماً تھا۔ بعد میں جب تمام قبائل کے لیے لغتِ قریش میں پڑھنا ممکن ہوا تو باقی لغات میں تلاوت کی اِجازت منسوخ کر دی گئی اور صرف لغت قریش میں پڑھنے کا حکم باقی رکھا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت سے لغت قریش میں ہی جمع فرمایا۔ قراءاتِ سبعہ وعشرہ یہ سب اسی لغت قریش پر ہی ہیں۔ حضرت علامہ ابن جریر طبری وغیرہ کی طرف بھی یہی نظریہ منسوب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں صرف ایک حرف پر قرآن کریم کو جمع فرمایا گیا ہے اور باقی حروف باقی نہیں رہے لیکن حضرت امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل راسی، قاضی اَبوبکر، ابن طیب، اِمام ابوالحسن اَشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ اَبوالولید باجی، حضرت امام غزالی، ملاعلی قاری (محققِ اعظم فی القراءات محمد بن الجزری) جیسے علمائے کرام نے اس نظریے سے شدید اختلاف کیا ہے اور وہ اس پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں۔ عرضہ اَخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا نہ اُسے ترک کیا گیا بلکہ محقق ابن الجزری نے اپنے اس قول کو اپنے سے پہلے علماء کا مسلک قرار دیا ہے۔ علمائے متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت اَنور شاہ کشمیری اور علامہ زَاہد الکوثری کا بھی یہی قول ہے نیز مصر کے مشہور مفتی علامہ محمد بخیت مطیعی، علامہ حضرت دمیاطی، شیخ عبدالعظیم زَرقانی نے بھی اس کو اِختیار کیا ہے لہٰذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات سے بھی یہ قول بڑا وزنی ہے۔ (علوم القرآن ص ۱۳۶)

سبعہ اَحرف اور اختلافِ قراءات کے متعلق بحث کرتے ہوئے حضرت محقق العصر

علامہ محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں:

پورے ذخیرہ اَحادیث میں ہمیں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تھے، ایک سات حروف کا اختلاف اور دوسرے قراءتوں کا اختلاف۔ اس کے بجائے بہت سی رِوایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں، کیونکہ ایک ہی قسم کے اختلاف پر بیک وقت اختلاف قراءت اور اختلافِ اَحرف دونوں اَلفاظ کا اختلاف کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت اُبی بن کعب فرماتے ہیں:

كنت بالمسجد، فدخل رجل يصلى فقرأ قرائة أنكرتها عليه، ودخل آخر فقرأ قرائة سوى قرائة صاحبه، فلما قضينا الصلوة، دخلنا جميعا على رسول اللّٰه! ـ فقلت :إن هذا قرأ قرائة أنكرتها عليه، ودخل آخر، فقرأ قرائة سوىٰ قرائة صاحبه، فأمرهمارسول اللّٰهصلى الله عليه وسلم فقرأ فحسن النبى صلى الله عليه وسلم شأنهما فسقط فى نفسى من التكذيب ولا إذ كنت فى الجاهلية، فلما رأى رسول اللّٰه ! ما قد غشينى، ضرب فى صدرى ففضت عرقا، وكأنما أنظر إلى اللّٰه فرقاـ فقال لى :يَا أُبَىُّ !إِنَّ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ أَرْسَلَ إِلَىَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِىْ فَرَدَّ إِلَىَّ الثَّانِيَةَ، اِقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِىْ، فَرَدَّ إِلَىَّ الثَّالِثَةَ، اِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍـ (صحيح مسلم ٨٢٠)

میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اَجنبی معلوم ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک اور قراءت پڑھی، پس جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، میں نے عرض کیا اس شخص نے ایک ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم

ہوئی، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی، اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی تو حضور ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی، اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اُبی میرے پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا، کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی فرمایئے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حرفوں پر پڑھوں، میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمت پر آسانی فرمایئے، تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔

اِس روایت میں حضرت اُبی بن کعب دونوں اَشخاص کے اختلاف تلاوت کو بار بار اختلافِ قراءت سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اسی کو آنحضرت ﷺ نے سات حروف کے اختلاف سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ قراءت کے اختلاف اور حروف کے اختلاف کو عہدِ رِسالت میں ایک ہی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف کوئی دلیل ایسی نہیں جو دونوں کی جداگانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور جب قراءات کا محفوظ ہونا تواتر اور اِجماع سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اَحرفِ سبعہ آج بھی محفوظ ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حروفِ سبعہ کا جتنا حصہ عرضہ اَخیرہ کے وقت باقی رہ گیا تھا وہ سارے کا سارا عثمانی مصاحف میں محفوظ کر لیا گیا تھا اور وہ آج تک محفوظ چلا آتا ہے، نہ اسے کسی نے منسوخ کیا اور نہ اس کی قراءت ممنوع قرار دی گئی۔ (علوم القرآن: ص ۱۳۸ تا ۱۴۰)

اس پورے بیان سے معلوم ہوگیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصاحف عثمانیہ میں حرف ولغت قریش کے علاوہ دیگر لغات واَحرف کو بالکلیہ منسوخ نہ فرمایا تھا بلکہ صرف بالجزئیہ فقط اُنہی لغات کوموقوف فرمایا تھا جوقریش کے ہاں معتبر ومتداول ومستعمل نہ تھے۔ باقی بالاغلبیہ ان احرف ولغات ستہ کو یقیناً ثابت و باقی رکھا تھا جو قریش کے نزدیک معتبر ومتداول ومستعمل تھے۔

نیز اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ محض سطحی نظر سے جو بعض علمائے کرام یہ فرمادیا کرتے ہیں کہ عہدِ عثمانی میں صرف ایک ہی لغت باقی رہ گیا تھا اور باقی سب لغات ختم ہوگئے تھے، اس لیے آج اختلاف قراءت کی گنجائش نہیں، یہ بات سراسر خلافِ واقعہ ہے، کیونکہ جملہ قراءات عشرہ لغت قریش اور باقی لغات ستہ فصیحہ معتبرہ عندقریش کی روشنی میں عرضہ اَخیرہ والے سبعہ لغات وسبعہ وجوہ اِختلافِ قراءت کے مطابق مدوّن ہوئی ہیں، جوحضورﷺ نے آخری سال وفات میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ ماہ رمضان المبارک میں فرمایا تھا۔ اس مضمون کی مزید تفصیلات وتحقیقات ناچیز راقم کی تازہ ترین تالیف دفاعِ قراءات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ علامہ ابن جریر طبری کے بقول دورِ عثمانی میں سبعہ اَحرف میں سے صرف ایک قریشی حرف ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور باقی غیر قریشی چھ اَحرف کوموقوف قرار دے دیا گیا تھا پھر سبعہ اَحرف کی بقائیت کا قول کیونکر درست ہوا؟

الجواب

طبری نے جمع عثمانی میں سبعہ اَحرف میں سے جوصرف ایک ہی حرف قریش کے بقاء کا قول کیا ہے طبری کے یہاں راجح اور آخری تحقیق کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اِسلام میں بدوی صحابہ کرام کی رِعایت رکھتے ہوئے سات کلمات ولغات کی حد

تک ہم معنی متبادل کلمہ ولغت پڑھنے کی اِجازت تھی۔ لیکن پھر اَوّلاً حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں یہ اِجازت ختم کردی گئی اس کے بعد ثانیاً جمع عثمانی کے وقت ان ستہ مترادفات کی منسوخیت کی مزید اِشاعت وتشہیر کی گئی اَب خاص اس ایک ہی قریشی کلمہ مترادفہ کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے مطابق اَوّلاً قرآن کریم نازل ہوا تھا مثلاً ھلمّ کی جگہ تعال پڑھنے کی اِجازت قطعاً موقوف قرار دے دی گئی۔

علامہ طبری قطعاً اس کے قائل نہیں کہ سبعہ لغات غیر مترادفات اور سبعہ وجوہ و اَنواعِ اختلاف قراءت میں سے بھی صرف ایک ہی قریشی لغت اور صرف ایک ہی اختلافی وجہ قراءت پڑھنے کی اجازت ہے اور باقی چھ لغات اور چھ اختلاف وجوہ قراءات ختم کردی گئی ہیں۔ اس کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ علامہ طبری نسخ مترادفات ستہ کے باوجود اختلافِ قراءات کے یقیناً قائل ہیں۔ جیسا کہ:

(۱) تفسیر طبری میں مختلف قراءات کا تذکرہ موجود ہے۔

(۲) نیز طبری مقدمہ کتاب المبانی ص ۲۳۰ میں فرماتے ہیں :

إن القراء ات التی تختلف بها المعانی صحیحة منزلة من عند اللّٰه ولکنها خارجة من هذه السبعة الأحرف۔

یہ سب قراءات جن میں معانی بھی مختلف ہوجاتے ہیں صحیح اور من جانب اللہ نازل شدہ ہیں، لیکن بایں ہمہ یہ ان سبعہ اَحرف (بمعنی کلمات مترادفہ مختلفۃ المادۃ) سے خارج وجداگانہ ہیں۔

(۳) نیز خود طبری قراءۃِ حمزہ اور رِوایت ورش بطور خاص پڑھا پڑھایا کرتے تھے۔ (مقدمہ تفسیر طبری ص ۱۴)

(۴) بلکہ طبری نے الجامع نامی ایک بڑی کتاب قراءات پر تالیف کی جس میں بیس سے زائد قراءات کا تذکرہ کیا ہے۔ (النشر ۱/۳۴)

ظاہر ہے کہ یہ تمام قراءتیں سبعہ لغاتِ غیر مترادفہ اور سبعہ اَنواع اِختلاف قراءات کی روشنی ہی میں مدون ہوکر معرض وجود میں آئی ہیں لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ طبری کے یہاں بھی سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ مترادفات اور سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ لغات غیر مترادفہ اور سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ اَنواع اِختلاف قراءات تین مستقل اَنواع واَقسام کی اَحادیث ہیں جن میں سے سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ مترادفات والی اَحادیث تو صرف اِبتدائے اسلام کے زمانے میں معمول تھیں اوراس کے بعد موقوف ومنسوخ ہوچکی ہیں۔ لیکن سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ لغات غیر مترادفہ نیز سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ اَنواع اختلاف قراءات والی اَحادیث اب بھی یقیناً معمول وباقی ہیں اور یہ لغات واختلاف قراءاتِ عرضہ اَخیرہ اور قریشی لغات کی روشنی میں بدستور موجود ہیں، قطعاً منسوخ نہیں ہیں۔ چنانچہ خود علامہ طبری نے کتاب القراءات میں اپنی تحقیقی رائے کی ترجمانی یوں فرمائی ہے:

کل ما صح عندنا من القراءات أنه علمه رسول الله ! لأمته من الأحرف السبعة التی أذن الله له ولهم أن یقرءوا بها القرآن، فلیس لنا أن نخطیٔ من قرأ إذا کان ذلك به موافقا لخط المصحف۔(الإبانة ص۱۲، ۲۰)

ہر وہ قراءت جس کے متعلق بروئے صحت یہ بات ہمارے نزدیک ثابت ہوچکی ہوکہ حضور اَقدس ﷺ نے اپنی اُمت کواس کی تعلیم دی ہے وہ ان اَحرفِ سبعہ میں سے ہے جن کے موافق اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کواور آپ کی اُمت کوتلاوت قرآن کی اجازت عنایت فرمائی لہٰذا جب کوئی شخص ایسی قراءت پڑھے بشرطیکہ وہ رسم عثمانی کی موافقت کرنے والا ہوہمیں قطعاً اس کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا، والله یقول الحق وهو یهدی السبیل۔ (حیات ترمذی مؤلفہ راقم الحروف: ص۶۹۰ تا ۶۸۲)

حاصلِ کلام

اَحرفِ سبعہ سے کیا مراد ہے اور یہ کہ اب وہ باقی ہیں یانہیں اور قراءاتِ سبعہ اور

عشرہ کا تعلق کس لغت سے ہے تفصیل بالا سے واضح ہے کہ اس میں حضرات اہل علم کے مابین شدید اِختلاف پایا جاتا ہے علامہ دانی، اکثر محققین اور جمہور اہل اَدا کے نزدیک اَحرفِ سبعہ سے مراد مختلف قبائل کی سات لغات ہیں اور علامہ طبری اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک اَحرفِ سبعہ میں سے اب صرف ایک حرف باقی ہے دیگر اَحرف ستہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں منسوخ ہوگئے تھے، اب وہ باقی نہیں رہے۔

ہمارے اَکابر میں سے حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانی کی رائے گرامی بھی یہی ہے خود احقر کے والد ماجد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی جو اپنے دور میں ایک جید عالم دین اور عظیم فقیہ و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ قراءاتِ سبعہ بلکہ عشرہ کے باقاعدہ قاری اور حضرت شیخ القراء جناب قاری محی الاسلام کے خاص تلمیذ رشید تھے ان کی رائے بھی یہی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے علامہ شمس الحق اَفغانی سے متعلق اپنے مقالہ حضرت مولانا افغانی کی تفسیری خدمات میں اِس کا اِظہار بھی فرمایا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جمہور علماءِ کرام کا ایک دوسرا طبقہ جس کا تفصیلی ذکر علوم القرآن کے حوالہ سے گزر چکا ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ اَحرف سبعہ اب بھی باقی ہیں۔ لیکن یہ ایک خالص علمی اور نظریاتی اِختلاف ہے اس سے اس حقیقت ثابتہ، کہ قرآن کریم چودہ سوسال سے آج تک بغیر کسی اَدنیٰ تغیر و تبدل، اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے تحت محفوظ چلا آ رہا ہے اور اس کی جتنی قراءتیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب صحیح ہیں، پر ذرا بھی اَثر نہیں پڑتا۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں نہایت صائب اور فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے:

یہ سارا اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اور اس کے بعینہ محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی اَثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ (علوم القرآن ص ۱۵۶)

قرا آت مختلفہ کے توقیفی اور سماعی ہونے کے دلائل

دلیل اول: اعجاز قرآنی

ایک ہی مضمون ومقصد کو مختلف پیراؤں میں بیان کرنا علم فصاحت وبلاغت اور علم بیان کی خوبیوں میں سے ہے قرآن کریم جو افصح الکلام ہے ایسی خوبیوں سے قطعاً خالی نہیں ہوسکتا، جس آیت میں مختلف قرا آت ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قرا آت کے اعتبار سے وہ آیت ایسی معجزانہ شان رکھتی ہے کہ کوئی اس کا مثل نہیں پیش کرسکتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی مثال

یایھاالذین امنوااذاضربتم فی سبیل اللّٰہ فتبینوا۔

اس کی دوسری قراءت اس طرح ہے:

یـایھـاالذین امنوااذاضربتم فی سبیل اللّٰہ فتثبتوا اس آیت میں فتبینوا اور فتثبتـوا دونوں ہی لفظ اعجازی شان کے حامل ہیں، تبیـن والی قراءت کے معنی یہ ہیں کہ کسی نو مسلم کو جلدی سے قتل نہ کرو بلکہ تحقیق کرلو اور اس سے بیان لے لو اور تثبـت والی قراءت کے معنی یہ ہیں کہ اطمینان سے کام لو جلدی نہ کرو تاکہ صورت حال واضح ہوجائے۔ (روح المعانی ۱۴۵/۲۶)

ظاہر ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی ضدیت نہیں کیونکہ اولاً اطمینان حاصل ہوگا تو ثانیاً اس کے نتیجہ میں تحقیق کا وقوع ہوگا۔ ایسے دو الفاظ کا انتخاب قرآنی اعجاز ہی کا کمال ہوسکتا ہے جو کسی بشر کی طاقت میں نہیں، کیا قرآنی اعجاز اس کا نام ہے کہ فصحاء خالص عرب تو کجا محض موالئ اعجام ایسا معجزانہ کلام ایجاد واختراع کرلیتے، یہ سراسر قرآنی اعجاز کی توہین وگستاخی ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان موالی نے اپنے پاس سے کچھ نہیں کہا بلکہ جو قراءت نقلاً ان تک پہنچیں بعینہٖ انہی کو ان حضرات نے آگے روایت کردیا ہے۔

دوسری مثال

فتلقی اٰدمُ من ربه کلمٰتٍ ،دوسری قراءت میں یہ آیت یوں ہے: اٰدمَ من ربــه کلمٰتٌ ،پہلی قراءت میں یہ پیرایہ واسلوب اختیار کیا گیا کہ ''آدم نے اپنے پروردگار کی جانب سے کچھ کلمات حاصل کر لیے'' دوسری قراءت میں اسی مفہوم کو دوسرے طرز وانداز میں یوں ذکر کیا کہ'' آدم کو اپنے پروردگار کی جانب سے چند کلمات حاصل ہو گئے''،یعنی پہلی قراءت سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے جب بارگاہ الٰہی میں الحاح وزاری اور تضرع وگریہ کیا تو بارگاہ الٰہی میں وہ قبول ہو گیا،دوسری قراءت میں یہ بیان ہوا کہ بالآخر انہیں قبولِ توبہ کے تمہیدی مظہر ومصداق کے طور پر چند دعائیہ کلمات حاصل ہو گئے جو قبولیت پر منتج ہوئے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے فلانٌ قائمٌ اور دوسرا کہے فلانٌ لیس بقاعدٍ یا کوئی یوں کہے عرضت الناقة علی الحوض اور دوسرا کہے عرضت الحوض علی الناقة ۔یا کوئی یوں کہے سلب زیدٌ ثوبه اور دوسرا کہے سلب ثوب زیدٍ ظاہر ہے کہ سب مثالوں میں ہر دو تعابیر کا مقصد وحاصلِ مفہوم ایک ہی ہے۔

قراآت وروایات مختلفہ کی یہی شان ہے کہ باوجود اس کے کہ الفاظ کی شکلیں متعدد ہو جاتی ہیں مگر بایں ہمہ مفہوم متحد ہی رہتا ہے بلکہ ہر قراءت پر دوسری سے اعلیٰ ترین معنی نکلتے ہیں۔سبحان اللہ! کیا کوئی مخلوق ایسی شاندار معجزانہ تعبیر اور اس کے لئے ایسے مختلف الاِعراب کلمات کا چناؤ کر سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں،موالی تو کجا پوری دنیا کے خالص آزاد فصحاء لوگ بھی ایسی تعبیرات اور ان کے لئے ایسے کلمات کا انتخاب قطعاً نہیں کر سکتے ہیں ،معلوم ہوا کہ اختلاف قراءت کو موالی کی ایجاد وگھڑت قرار دینا کلامِ الٰہی کی معجزانہ عبارت کی شان میں بے ادبی اور اس کا استخفاف ہے کہ اس کی عبارت کو ایسا ہلکا اور معمولی درجہ کا سمجھ لیا گیا ہے کہ ہرا یرا غیرا اس کو بنا کر پیش کر سکتا ہے (العیاذ باللہ)

تیسری مثال

بما کانوا یکذبون (البقرہ) کے معنیٰ ہیں ''بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے'' اور بما کانوا یکذّبون کے معنیٰ ہیں ''بسبب اس کے کہ وہ جھٹلاتے تھے'' اور منافقین میں دونوں ہی صفتیں پائی جاتی تھیں کیونکہ وہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے بھی تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے بھی تھے۔

دلیل دوم: داخلی شہادت

قراآت کی توفیقیت ومنقولیت اوران میں قیاس واجتہاد واختراع کے قطعی غیر معتبر ہونے کے متعلق اندرونی شواہد وقرائن:

دواور دو چار ''یہ دعوی بھی ہے اور خود ہی اپنی دلیل بھی ہے'' تمام قراآت مختلفہ سماعی ونقلی وتوفیقی ونزولی ہیں نہ کہ اختراعی ایجادی قیاسی عقلی'' یہ دعویٰ بھی ہے اور خود اسی دعوے میں اس کی دلیل بھی موجود ہے چنانچہ ذیل میں اس کے متعلق چند داخلی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی داخلی شہادت

امام حمزہ کے لئے مصاحف عثمانیہ کے مرسوم بالیاء تمام کلمات میں قاعدۂ کلیہ کے طور پر ہر جگہ امالہ محضہ ہوتا ہے لیکن چند کلمات تلٰها۔ طحها۔ دحها۔ سجی میں انہوں نے امالہ نہیں کیا باوجودیکہ یہ کلمات بھی مرسوم بالیاء ہی ہیں اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ روایۃ انہیں ان کلمات کا امالہ نہیں پہنچا تھا اور یہ امالہ روایتاً ونقلاً ان کی قراءت میں ثابت ووارد نہیں ہوا تھا معلوم ہوا کہ قراآت میں اصل حقیقی اتباع روایت ونقل ہے۔

دوسری داخلی شہادت

حفص کے لئے صرف مجرھا میں امالہ ہے اس کے علاوہ پورے قرآن میں ان کے لئے کسی جگہ بھی امالہ نہیں اس کا سبب یہی ہے کہ حفص نے متصل وصحیح سند کے ذریعہ فقط

اسی ایک کلمہ کو امالہ سے نقل کیا ہے۔

تیسری داخلی شہادت

ابن عامر کی قراءت بروایت ہشام میں صرف ۳۳ مخصوص موقعوں میں ابراہیم کی جگہ ابراھام ہے نہ کہ پورے قرآن مجید میں جس کی وجہ سوائے نقل وروایت کے کچھ نہیں۔

چوتھی داخلی شہادت

حضرت محقق ابن الجزری فرماتے ہیں ''اختلاف قراءت نبی ﷺ کی نبوت اور قرآن کی صداقت وحقانیت پر عظیم الشان اورواضح ترین وقطعی دلیل ہے کیونکہ قراآت مختلفہ میں قسم قسم کے اختلافات کے باوجود ان میں ذرابرابر ضدیت ومخالفت وتناقض نہیں بلکہ تمام قراءتیں باہم ایک ہی طرز وطریق پر منظّم ومرتب اور ایک ہی اسلوب وانداز پر باہم ایک دوسری کی تصدیق وتشریح اور تائید وتفسیر کرتی ہیں اور ہر عاقل وفہیم جانتا ہے کہ یہ صفت وشان صرف اور صرف کلامِ الٰہی کی ہی ہوسکتی ہے پس جب قرآن کلامِ الٰہی ہے تو جس ذات کریم پر وہ نازل ہوا ہے وہ بھی یقیناً صادق ہے'' (النشر ۵۲/۱)

پانچویں داخلی شہادت

امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ خود رسول کریم ﷺ کو بھی قرآن پاک میں کسی حرف یا کلمہ کی تبدیلی کا قطعاً حق حاصل نہ تھا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل مایکون لی ان ابدله من تلقائ نفسی ان اتبع الامایوحی الی (یونس) تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف۔

دوسری جگہ فرمایا: ومـا يـنـطـق عـن الهوى ان هوالاوحى يوحى (النجم) اور آپ نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ولـو تـقـول علينابعض الاقاويل لاخذنامنه بـالـيـمـيـن ثـم لقطعنامنه الوتين فمامنكم من احدعنه حجزين (الحاقہ) اور اگر یہ

بنالاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے۔

قراآت بھی قرآن کریم ہی کا داخلی جز و اور حصہ ہیں لہٰذا وہ بھی اللہ عزوجل ہی کی جانب سے وحی کی شکل میں نازل شدہ ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ کو تبدیلی کا حق نہ تھا تو غیر رسول کو کس طرح ہوسکتا ہے اگر وحی الٰہی اور روایت ونقل سے ثبوت کے بغیر کوئی شخص تبدیلی کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ تحفظ قرآن کے وعدہ کی وجہ سے رائج نہ ہونے دیں گے باوجودیکہ یہ قراآت مختلفہ ہر دور میں مروج وشائع رہی ہیں یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ سب نازل شدہ اور حضرۃ نبویہ سے صحیح ومتصل سند کے ذریعہ ثابت ومروی ہیں۔

چھٹی داخلی شہادت

سبعہ احرف پر قرآن کریم کے نزول والی احادیث واضح دلیل ہیں اس پر کہ قراآت منزل من اللہ ہیں اور ان کے متعلق رسول کریم ﷺ کا فرض منصبی محض تبلیغ کا ہے۔ معاذ اللہ اپنی جانب سے کمی بیشی کرنے کا حق آں حضرت ﷺ کو بھی نہیں ہے۔ یہی احادیث اس امر پر بھی دال ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے ان قراآت کو مشافہۃً اور تلقی کے طور پر حاصل کیا پھر تابعین نے وہ قراءتیں صحابۂ کرام سے حاصل کیں حتی کہ سلسلہ در سلسلہ نسل در نسل طبقہ در طبقہ بطریق تواتر یہ قراآت ہم تک پہنچ گئیں۔

دلیل سوم: تواتر

کسی چیز میں تواتر کے ثابت ہو جانے کے بعد اس متواتر چیز کے رجالِ سند سے بحث نہیں کی جاسکتی مستشرقین نے قرآن کی قراآت مختلفہ اور سبعہ احرف ولغات کو تحریف قرآن ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل پیش کیا ہے حالانکہ یہ استدلال بالکل غلط ہے تحریف اس کا نام ہے کہ کسی شاہی دستاویز وکلام میں اصل متکلم اور دستاویز مرتب کرنے والے کے علاوہ کوئی اور شخص الفاظ میں ردوبدل کر کے کچھ گھٹا بڑھا دے اور متکلم کے کلام

کو بدل ڈالے لیکن اگر خود بادشاہ اپنی دستاویز کے الفاظ میں بیشمار محاسن ومصالح کے اظہار کے ماتحت ردوبدل اور کوئی تبدیلی کردے تو اس کو کوئی عقل مند تحریف نہیں کہہ سکتا۔

قرآن پاک کی قراآت کی دوقسمیں ہیں ۔متواتر ،غیر متواتر۔ پس قراء ۃ غیر متواترہ قرآن نہیں کیونکہ ائمہ اصول متفق ہیں کہ قرآنیت کے لئے تواتر شرط ہے اور قراءۃ متواترہ قرآن ہے اس سے تحریف ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ تحریف اس کا نام ہے کہ یا غیر قرآن کو قرآن میں داخل کیا جائے یا قرآن کے کسی جزو کو قرآن سے خارج کردیا جائے اور اختلاف قراءت میں دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں۔

برہان میں علامہ زرکشی نے لکھا ہے کہ:

قرآن ان الفاظ وحی کا نام ہے جو حضور علیہ السلام پر بیان احکام کے لئے معجزانہ انداز میں اترے ہیں اور قراءت (اختلاف لغات کے موقع پر) قرآنی الفاظ منزلہ کے طرز تلفظ اور کیفیت ادا کا نام ہے ۔سات قراآت ’’سات قراء‘‘ تک متواتر طریق سے ثابت ہیں اور یہ کیفیات واسالیب بھی حضور علیہ السلام تک متواتر ہیں۔وقد نص علی تواتر ذلك كله ائمة الاصول كالقاضى ابى بكر وغيره وهوالصواب لانه اذاثبت تواتر اللفظ ثبت تواتر هيئة ادائه لان اللفظ لايقوم الابه ولايصح الابوجوده۔

ترجمہ: ائمہ اصول قاضی ابوبکر وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ سات قراآت از اول تا آخر (اصول وفروع سمیت) حضور ﷺ تک بالکلیہ متواتر ہیں اور یہی درست ہے کیونکہ جب الفاظ کا تواتر ثابت ہے تو طرزِ ادا،اور تلفظ کی ہیٔت کا تواتر بھی ثابت ہے کیونکہ الفاظ کا تلفظ طرزِ ادا کے بغیر ممکن نہیں اور الفاظ کی صحت و درستی ،طرزِ تلفظ کے وجود ہی سے حاصل ہوتی ہے ۔قراآت سبعہ متواتر اس لئے ہیں کہ ہر امام نے بلاواسطہ یا بالواسطہ صحابہ کرام سے اور صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے اخذ کیا ہے مثلاً نافع نے ابوجعفر مدنی وغیرہ کل ستر تابعین سے قراءت حاصل کی انہوں نے ابن عباس اور ابوہریرہ سے،اور ان ہر دو نے

ابی بن کعب سے اور ابی نے رسول کریم ﷺ سے قراءت حاصل کی ۔ابن کثیر نے قراءت مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے بسند مذکور حاصل کی ابوعمرو نے قراءت مجاہد وسعید بن جبیر سے حاصل کی اوران دونوں نے ابن عباس سے اورانہوں نے ابی بن کعب سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی وعلیٰ ھذاالقیاس ۔

یہ سب قرآآت متواترہ،قرآن ہیں لہٰذا قرآآت سے نہ قرآن میں کمی آتی ہے نہ بیشی ،موجودہ قرآآت سبعہ ، بتواتر صحت واتصال سند کے ساتھ ثابت ومنقول ہیں ان کے برخلاف کسی ایک فرد کا بیان قطعی ناقابل اعتبار ہے جیسا کہ شہر بغداد شہر مکہ شہر مدینہ کا وجود تواتر سے ثابت ہے اب اگر کوئی شخص قطعی متواتر چیز کے برخلاف دلائل قیاسیہ قائم کردے تو وہ قطعاً قابل اعتبار نہیں ہوسکتے ان دلائل کو دیوانگی اور عقلی ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

قرآآت سبعہ اور عشرہ کے تواتر کے متعلق اقوال علماء

قول نمبر(۱) مفتی انام علامہ ابوعمرو عثمان بن صلاح ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

یشترط ان یکون المقروء به قدتواتر نقله عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قرآناواستفاض نقله کذلك وتلقته الامة بالقبول کهذه القراآت السبع لان المعتبرفی ذلك الیقین والقطع ـ(النشر ١ / ٤٠)

ترجمہ: جس قراءت کی تلاوت کی جائے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا قرآن ہونا نبی ﷺ سے متواتر طریقہ پر منقول ہواوراسی طرح ہر زمانہ میں وہ قراءت مشہور وشائع رہی ہواوراس کوامت نے شرف قبولیت بخشا ہو جیسے یہ مروجہ قرآآت سبعہ اور تواتر وشہرت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ صحیح ومقبول قراءت میں تیقن وقطعیت معتبر ہے۔

قول نمبر(۲) علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

القرآن الذی تجوزبه الصلوة بالاتفاق هوالمضبوط فی مصاحف الائمة التی بعث بهاعثمان رضی الله عنه الی الامصاروهو الذی اجمع علیه الائمة العشرة وهذاهوالمتواتر جملة وتفصیلافمافوق السبعة الی العشرة غیر شاذوانماالشاذماوراء العشرة وهوالصحیح وتمام تحقیق ذلك فی فتاوی العلامة قاسم ۔(شامی ۱ / ۳۵۸۔۳۵۹)

ترجمہ: وہ قرآن جس کے ذریعہ بالاتفاق نماز جائز ہوجاتی ہے یہ وہ ہے جو ائمہ کے ان قرآنوں میں درج شدہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہروں کی جانب روانہ فرمائے تھے اور یہ وہ ہے جس پر ائمہ عشرہ متفق الروایت ہیں۔ یہ حصہ مجموعی اور تفصیلی افرادو جزئیات یعنی اتفاقی واختلافی ہر دوقسم کے الفاظ کے لحاظ سے متواتر ہے پس سبعہ سے اوپر عشرہ تک والی قراآت شاذہ نہیں بلکہ شاذ صرف ماوراء العشرہ ہی ہے یہی صحیح ہے اوراس بحث کی پوری تحقیق فتاوٰی علامہ قاسم میں درج ہے۔

قول نمبر(۳) قاضی القضاۃ عبدالوہاب ابونصر بن الامام علی السبکی جمع الجوامع فی الاصول کی شرح منع الموانع میں فرماتے ہیں:

والصحیح ان ماوراء العشرة فهوشاذ......علی ان القول بان القراآت الثلاث غیرمتواترة فی غایة السقوط ولایصح القول به عمن یعتبرقوله فی الدین وهی قراءة یعقوب وخلف وابی جعفربن القعقاع لاتخالف رسم المصحف (النشر ۱ / ٤٤۔٤٥)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ عشرہ کے علاوہ باقی قراءتیں شاذ ہیں اور یعقوب خلف ابوجعفر بن قعقاع کی تین قراءتوں کو غیر متواتر کہنا حد اعتبار سے انتہائی گراہوا قول ہے جس شخص کی بات کا دین میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا ہے اور یہ تینوں قراءتیں بھی عثمانی مصحف کی رسم کے مخالف نہیں ہیں۔

قول نمبر (۴) علامہ قاضی القضاۃ ابونصر موصوف حضرت محقق ابن الجزری کے ایک استفتاء متعلقہ قرآآت عشرہ کے جواب میں رقمطراز ہیں:

الحمدللّٰہ القرآآت السبع التی اقتصر علیہا الساطبی والثلاث التی ھی قراءۃ ابی جعفر وقراءۃ یعقوب وقراءۃ خلف متواترۃ معلومۃ من الذی بالضرورۃ کتبہ عبدالوھاب بن السبکی الشافعی (النشر ١/٤٦)

ترجمہ: الحمدللہ وہ قرآآت سبعہ جن پر شاطبی نے انحصار کیا ہے نیز ابوجعفر یعقوب خلف کی قرآآت ثلاثہ یہ دسوں قراءتیں متواتر ومعروف ااور بالبداہت ضروریات دین میں سے ہیں (یعنی ان کا منجملہ دین کے ہونا بیحد واضح وعیاں اور بدیہی امر ہے)

قول نمبر (۵) علامہ محقق تفتازانی فرماتے ہیں:

ان القرآآت السبع متواترۃ لایحل الطعن فیہا بل ینبغی ان یریف بہا قول من یخالفہ ویجعل ذلک شاھدا علی وقوعہ (شرح شاطبیہ ملاعلی قاری ص۲۵۹)

ترجمہ: قرآآت سبعہ متواتر ہیں ان پر اعتراض کرنا ناجائز ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مخالف کے قول کی تضعیف وتردید کی جائے اور قراءت کو نحو کے قاعدۂ شاذہ کے وقوع وجواز کا شاہد ومستدل قرار دیا جائے۔

قول نمبر (٦) علامہ دکتور حسن ضیاء الدین عتر فرماتے ہیں:

والقرآآت المتواترۃ انما تواترت الی الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاالی ائمۃ القراءۃ فحسب ولیس ھناک مجال للاجتہاد فی القراءۃ بل ھی توقیفیۃ وسیرۃ العلماء والسلف الصالح وتوقفھم فی قبول القراءۃ علی قوۃ اسنادھا اکبر دلیل علی ذلک بالاضافۃ الی الادلۃ الکثیرۃ السابق سردھا لقد تلقی القرآن باحرفہ السبعۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جمع من الصحابۃ وتلقاہ عنہم جمع غفیر من التابعین ھٰکذا الی عصرنا ھذا ولقد اشتہر کثیرون من

الصحابة باقراء القرآن منهم ابی بن کعب وزیدبن ثابت وعبداللّٰہبن مسعود واشتهرمن التابعین سعیدبن المسیب وعروة وسالم وعطاء وسليمان ابنايسار واناس كثرون فی كل بلدة من بلادالاسلام واشتهربعدذلك قراء كثيرون منهم السبعة وباقی العشرة وغيرهم وقدلقی بعض السبعة الصحابة والتابعين مثل ابن عامروابن كثيروعاصم وهذاكله ساعدعلی نقل القرآن بقراآته الينامتواترا (الاحرف السبعة ومنزلة القراآت منها:ص ٣٦٥و٣٦٦)

ترجمہ: قراآت متواترہ حضرت رسول کریم ﷺ تک برابرمتواتر ہیں نہ یہ کہ وہ صرف ائمہ قراءت تک متواتر ہیں۔قراآت میں اجتہاد کی کوئی مجال نہیں بلکہ وہ توقیفی ہیں۔ علاوہ سابق الذکر دلائل کثیرہ کے اس کی بڑی دلیل یہ کہ علماء وسلف صالحین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ قبول قراءت کوقوت سند قراءت پر موقوف قرار دیتے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے احرف سبعہ سمیت قرآن کوصحابہ کی ایک جماعت نے حاصل کیا پھر صحابہ سے تابعین کے جم غفیر نے اوراسی طرح ہمارے اس زمانہ تک ہر زمانہ کے بے شمار لوگ مسلسل اور برابرا سے حاصل کرتے کراتے چلے آرہے ہیں۔تعلیم قراآت میں بہت سے صحابہ کوخصوصی شہرت حاصل ہوئی منجملہ ان کے ابی بن کعب زید بن ثابت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

تابعین میں سے سعید بن مسیّب،عروہ،سالم،عطاء بن یسار،سلیمان بن یساراور اسی طرح ہر اسلامی شہر میں بہت سے تابعین وغیرہم کوتعلیم قراآت میں نمایاں مقام حاصل ہوا،ان کے بعد بہت سے قراءکرام کومقام افضلیت حاصل ہوا جن میں قراءسبعہ اورقراء ثلاثہ وغیرہم بالخصوص قابل ذکر ہیں۔بعض قراءسبعہ مثلاً ابن عامرابن کثیرعاصم کوصحابہ وتابعین سے شرف لقاء حاصل ہوا ہے یہ پوری تفصیل اس امر کی مؤید ہے کہ قرآن کریم اپنی قراآت سمیت ہم تک بطریق تواترمنقول ہوتا چلا آرہا ہے۔

دلیل چہارم: صحت واتصال سند

مروجہ تمام قراآت صحیح و متصل سند کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، آپ سے یہ قراآت سات مشہور قراء صحابہ نے حاصل کیں اور ان سے قراء سبعہ کو پہنچیں جس سے قراآت سبعہ کا وجود عہد نبوت میں ثابت ہوتا ہے اگر چہ باقاعدہ فن کی شکل میں تدوین قراآت بعد کے زمانہ میں ہوئی۔

قراآت کی سندات کی صحت واتصالیت کے متعلق چند اقوال علماء

۱۔علامہ عبدالعظیم زرقانی نے مناہل العرفان میں ان مشہور سات قراء صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں جن تک قراء سبعہ کی سند قراءت پہنچتی ہے۔ان صحابہ نے حضور علیہ السلام سے قراءت حاصل کی اور پھر وہ بالذات یا بالواسطہ بعد کے زمانہ کے ان قراء کے شیوخ واساتذہ بنے جن کی قراآت بلاد اسلامیہ میں پھیلیں اور آج تک ان کا سلسلہ قراءت چل رہا ہے۔ وہ سات صحابہ یہ ہیں (۱) عثمان (۲) علی (۳) ابی بن کعب (۴) زید بن ثابت (۵) عبداللہ بن مسعود (۶) ابوالدرداء (۷) ابوموسی الاشعری (مناہل العرفان ۱/۴۰۷)

۲۔علامہ ذہبی نے معرفۃ القراء میں اولاً ان سات حضرات صحابہ کرام عثمان، علی، ابی بن کعب، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، ابودرداء کے حالات ذکر کئے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

فھولاء الذین بلغناانھم حفظواالقرآن فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخذ عنھم عرضاوعلیھم دارت اسانیدقراآت الائمۃ العشرۃ(معرفت القراء الکبار ۱/۳۹)

ترجمہ: یہ وہ صحابہ ہیں جن کے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے حیات نبویہ میں مکمل قرآن حفظ کرلیا تھا اور نبی ﷺ نے ان کے سامنے خود پڑھ کرانہیں قرآن کریم کی تعلیم دی تھی اور پھر آگے ان ہی سات صحابہ پر قراء عشرہ کی قراآت کی سندات

کا دارومدار ہے۔

۳۔علامہ محقق ابن الجزری فرماتے ہیں: صحابۂ کرام کے بعد جو حضرات تابعین قراآت کی وجوہ کو نقل کرنے میں ان کے قائم مقام ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)مدینہ میں گیارہ حضرات:

(۱)ابن مسیّب (۲)عروہ (۳)سالم (۴)عمر بن عبدالعزیز (۵)سلیمان بن یسار (۶)عطا بن یسار (۷)معاذ بن حارث جو معاذ قاری کے نام سے مشہور ہیں (۸)عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج (۹)ابن شہاب زہری (۱۰)مسلم بن جندب (۱۱)زید بن اسلم۔

(۲) مکہ میں چھ حضرات:

(۱)عبید بن عمیر (۲)عطاء (۳)طاؤس (۴)مجاہد (۵)عکرمہ (۶)ابن ابی ملیکہ۔

(۳) کوفہ میں پندرہ حضرات:

(۱)علقمہ (۲)اسود (۳)مسروق (۴)عبیدہ (۵)عمرو بن شرحبیل (۶)حارث بن قیس (۷)ربیع بن خثیم (۸)عمرو بن میمون (۹)ابوعبدالرحمٰن سلمی (۱۰)زر بن حبیش (۱۱)عبید بن نضیلہ (۱۲)ابوزرعہ بن عمرو بن جریر (۱۳)سعید بن جبیر (۱۴)ابرہیم نخعی (۱۵)شعبی۔

(۴)بصرہ میں دس حضرات:

(۱)عامر بن عبدقیس (۲)ابوالعالیہ (۳)ابورجا (۴)نصر بن عاصم (۵)یحیی بن یعمر (۶)معاذ (۷)جابر بن زید (۸)حسن (۹)ابن سیرین (۱۰)قتادہ۔

(۵)شام (دمشق) میں دو حضرات:

(۱)مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی جو قراءت میں عثمان بن عفان کے شاگرد ہیں (۲)خلید بن سعد جو ابوالدرداء کے شاگرد ہیں۔

پھر تابعین کے بعد ایک بہت بڑا گروہ صرف قرآن پڑھنے پڑھانے اور اس کا

طریقہ ادا سیکھنے سکھانے کے لئے مخصوص و فارغ ہوگیا اور انہوں نے قراآت کے ضبط ونشر میں اتنی سعی وتوجہ کی کہ وہ اپنے وقت کے ایسے امام بن گئے جو لوگوں کے مقتدا (پیشوا) اور شہرۂ آفاق قراء تھے اور لوگ سفر کر کے ان سے قراآت حاصل کرتے تھے (یہاں تک کہ) ان کے شہر والوں نے ان کی قراآت کی قبولیت پر اتفاق کرلیا اور کوئی سے دو افراد نے بھی اس بارہ میں ان سے اور باہم سر مو اختلاف نہیں کیا (جو اختلاف والوں کا سب سے کم تر عدد ہے) اور چونکہ ان حضرات نے اپنے آپ کو قرآن اور اس کی قراآت میں پوری طرح مشغول ومنہمک کر دیا تھا (اور ان کے ذریعہ اس فن نے خوب رواج وشہرت پائی تھی) اس لئے قراآت کی نسبت انہی کی طرف ہونے لگ گئی (یعنی چونکہ اس زمانہ میں شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ ان حضرات کے بعد اتنے بڑے عالم پیدا نہ ہوسکیں گے اس بنا پر اس وقت کے ارباب حل وعقد (یعنی بڑے بڑے علماء) فن کی امامت کا عہدہ انہی حضرات کے سپرد کر دیا اور ان کو امام مان کر خود ان کے مقلد بن گئے اور قریب وبعید سب کے مقابلہ میں انہیں کو پسند کرلیا پھر ان کے تلامذہ شاخ در شاخ ہو کر ملکوں میں پھیل گئے اور ان کے تمام علوم کو ان سے نقل کر کے دنیا میں پھیلا دیا (اور مشہور کر دیا) اور ان ائمہ اور قراء کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مدینہ میں:

(۱) ابوجعفر یزید بن قعقاع پھر (۲) شیبہ بن نصاح ان کے بعد (۳) نافع بن ابی نعیم۔

(۲) مکہ میں:

(۱) عبداللہ بن کثیر (۲) حمید بن قیس اعرج (۳) محمد بن محیصن۔

(۳) کوفہ میں:

(۱) یحی بن وثاب (عاصم بن ابی النجود (۳) سلیمان اعمش (ان تینوں کے بعد) (۴) حمزہ پھر (۵) کسائی۔

(۴) بصرہ میں:

(ا) عبداللہ بن ابی اسحٰق (۲) عیسی بن عمر (۳) ابوعمرو بن علا یہ تینوں ہم عصر ہیں ان کے بعد (۴) عاصم جحدری (۵) پھر یعقوب حضرمی۔

(۵) شام (دمشق) میں: (ا) عبداللہ بن عامر (۲) عطیہ بن قیس کلابی (۳) اسمعیل بن عبداللہ بن مہاجر۔ ان کے بعد (۴) یحی بن حارث ذماری (۵) شریح بن یزید حضرمی۔ (النشر ۱/۸۔۹)

دلیل پنجم: خارجی شہادات واقوال علماء

قراآت کے سماعی اور توقیفی ہونے پر بیرونی شواہد اقوال علماء واکابر امت کی روشنی میں۔

پہلی خارجی شہادت

علامہ محقق ابن الجزری فرماتے ہیں:

وکل ماصح عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ذلك فقدوجب قبولہ ولم یسع احدامن الامۃ ردہ ولزم الایمان بہ وان کلہ منزل من عنداللّٰہ اذ کل قراءۃ منہامع الاخری بمنزلۃ الآیۃ مع الآیۃ یجب الایمان بہا کلہا (النشر ۱/۵۱)

ترجمہ: ان قراآت میں سے ہر وہ قراءت جو نبی ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے اس کا قبول کرنا واجب ہے اور امت میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو رد کردے اور اس کی قرآنیت وصحت پر ایمان لانا واجب ہے اور اس پر بھی کہ ایسی ہر قراءت یقیناً من جانب اللہ نازل شدہ ہے کیونکہ ہر صحیح قراءت کا دوسری کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہے پس ہر آیت کی طرح ہر قراءت پر بھی ایمان لانا ضروری ولازمی ہے۔

دوسری خارجی شہادت

امام حافظ ابوعمرو دانی جامع البیان میں احرف سبعہ کے متعلق اپنا مذہب اور ان کی وجوہ اختلاف کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وان القراء السبعة ونظائرهم من الائمة متبعون فی جميع قراآتهم الثابتة عنهم التی لا شذوذ فيها (النشر ۱/۳۷)

ترجمہ: بلاشبہ قراء سبعہ اور ان کے ہم پلہ دوسرے ائمہ کی ان جملہ قراآت کی پیروی واجب ہے جو ان سے صحیح طور پر ثابت ہوئی ہیں اور جن میں شذوذ نہیں ہے۔

تیسری خارجی شہادت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وتجوز القراءة فی الصلوة وخارجها بالقراآت الثابة الموافقة لرسم المصحف كما ثبتت هذه القراآت ای العشر وغيرها وليست شاذة حينئذ (النشر ۱/۴۱)

ترجمہ: نماز کے اندر نیز نماز سے باہر ہر دو حالت میں ان قراءتوں کی تلاوت بلاشبہ جائز ہے جو ان مروجہ قراآت عشرہ وغیرہ کی طرح صحیح سند سے ثابت اور عثمانی مصاحف کی رسم کے موافق ہوں، نیز وہ اب تک شاذ نہ بنی ہوں (اس وقت چونکہ غیر عشرہ، شاذ بن چکی ہیں لہٰذا اس معیار پر صرف عشرہ ہی پوری اترتی ہیں)۔

چوتھی خارجی شہادت

امام شاطبی فرماتے ہیں:

ومالقياس فی القراء ة مدخل فدونك مافيه الرضاء متكفلا

ترجمہ: قراءت میں قیاس کا ذرا بھی دخل نہیں لہٰذا تو نقل کا ذمہ دار بن کر صرف اس چیز کو لے جس میں ائمہ کی پسندیدگی ہو (یعنی جسے وہ موثوق ومتعمد علیہ گردانتے ہوں)۔

دلیل ششم: اجماع امت

دور نبوی سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں قرآآت سبعہ پر پوری امت کا اجماع رہا ہے ہر دور میں ائمہ قراءت، اختلاف قراءت کی حفاظت پر کمر بستہ رہے اور کسی بد دین کو ان قرآآت میں ردوبدل کرنے کا یا انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا موقع ہاتھ نہیں آنے دیا اور اللہ تعالیٰ پوری امت کو کسی غلط بات پر متفق نہیں فرما سکتے ہیں۔ ازمنۂ متقدمہ کے مقابلہ میں زمانۂ حال، شرور وفتن، کثرت جہل وقلت علم، قرب قیامت، تسلسل فساد وفتنہ، طعنِ اکابر ومتقدمین، اعجاب وخود رائی اور کبر وتعلّی کا زمانہ ہے ایسے گئے گزرے زمانہ میں بھی یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص ان قرآآت سبعہ کے کسی ایک اختلاف کو بھی مٹا دے یا ان اختلافات میں اپنی طرف سے کچھ کمی وبیشی کر دے۔ اگر کسی میں جرأت وہمت ہے تو آئے اور تجربہ کے طور پر کوئی اختلاف مٹا کر دکھائے یا تحریف کر کے کوئی اختلاف بڑھا کر دکھائے کہ پھر اس کے ردعمل کے طور پر فی الفور تمام اہل اسلام اس کے دجل کا پول کھول کر رکھ دیں گے اس کی اس خیانت وبد دیانتی وجعلسازی کا تعاقب کر کے اس تحریف کا پردہ چاک کر دیں گے اگر ایسے دورِ انحطاط وفساد میں غلط بات نہیں چل سکتی اور خیانت وبد دیانتی رواج نہیں پا سکتی تو پھر ادوار وازمنہ سابقہ میں جو خیر کے ادوار تھے یہ کیونکر ممکن ہے کہ قرآآت مختلفہ کو محض تحریف واختراع کے طریقہ سے موالی وغیرہم نے اپنی جانب سے ایجاد کر کے پوری امت میں پھیلا دیا ہو اگر اس وقت ایک بھی غلط اختلاف نہیں چل سکتا تو اس وقت پوری قرآآت جو آپ کے گمان میں غلط ہیں کیونکر چل گئیں؟ خیر کے ازمنہ سابقہ میں بطریق اولیٰ ایسی بد دینی وتحریف کے عدم رواج کا قول کرنا پڑے گا اور یہ ماننا ہوگا کہ یہ تمام قرآآت توقیفی وسماعی ثابت ومروی صحیح ومنزل من اللہ ہیں، اگر اختلاف قراءت کو حاشا وکلا عجمی غلاموں کی سازش قرار دیں تو دس صدیوں سے زائد عرصہ تک اربوں کھربوں خواص وعوام تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین مفسرین محدثین فقہاء فضلاء اس سے کس طرح بے خبر

وغیر متنبہ رہے ۔ ہر صدی کے مجددین بھی اس کا پتہ نہ لگا سکے ہر دور میں طائفہ منصورہ علی الحق بھی اس کا سراغ نہ لگا سکا ہم ایسا کیوں نہ کرلیں کہ پوری امت کے جمیع علماء وخواص اکابر واسلاف کی تفسیق وتجہیل وتغلیط کے مقابلہ میں صرف آج کے اس ناقد مبتدع ہی کو غلط اور خارج عن الحق قرار دیدیں؟ آج کوئی ماں کا لعل موجودہ اختلافات قراءت کے برخلاف صرف ایک اختلاف ہی کی کمی بیشی کرکے دکھائے اور پھر وہ دیکھے کہ کیا اس کی یہ کمینی حرکت چل گئی؟ اگر نہ چل سکی اور یقیناً نہیں چل سکے گی تو یقین کرلیجئے کہ قرونِ اولیٰ میں بھی ہرگز تحریف نہیں ہوسکی ہے ۔ یہ زمانہ تو قلت علم کا ہے وہ زمانے کثرت علم کے تھے، یہ زمانہ کثرت شر وجہل کا ہے وہ زمانے کثرت خیر وعروج علم کے تھے ۔ اگر اختلاف قراءت کے متعلق تحریف آج نہیں چل سکتی تو ماننا پڑے گا کہ ہر زمانہ میں اس سے کہیں بڑھ کر اختلاف قراءت کی منزل طریق کے عین مطابق مکمل طور پر بخوبی حفاظت ہوتی رہی ہے ۔

قراآت سبعہ پر اجماع امت کے متعلق چند اقوال علماء

۱۔ صاحب مصابیح علامہ ابو محمد محی السنۃ حسین بن مسعود فرّاء بغوی اپنی تفسیر کے شروع میں فرماتے ہیں:

فذکرت قراء ۃ ھؤلاء ۔ ابی جعفر ونافع وابن کثیروابن عامروابی عمروویعقوب وعاصم وحمزۃ والکسائی ۔ للاتفاق علی جواز القراء ۃ بھا (النشر ۱/ ۳۸)

ترجمہ: میں نے ان قراء سبعہ اور ابو جعفر ویعقوب کی قراآت اس لئے بیان کی ہیں کہ ان کی تلاوت کے جائز ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے ۔

۲۔ علامہ بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں:

ان القراآت توقیفیۃ ولیست اختیاریۃ وقدانعقدالاجماع علی صحۃ قراء ۃ القراء السبعۃ وانھاسنۃ متبعۃ ولامجال للاجتھادفیھاوانما کان کذلک

لان القـراءة سـنة مـروية عـن الـنبـي صـلـى الـله عليه وسلم ولاتكون القراء ةبغير ماروی عنه (البرهان ۱/۳۲۱-۳۲۲)

ترجمہ: یقیناً قراآت توقیفی ہیں اختراعی نہیں، قراء سبعہ کی قراآت کی صحت پر نیز اس بات پر کہ قراءت سنتِ متبوعہ ہے جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں اجماع امت منعقد ہو چکا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ قراءت ایسی سنت ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے اور غیر منقول وجہ کی تلاوت جائز نہیں۔

۳۔ علامہ ابوالقاسم ہذلی متوفیٰ ۴۶۵ھ فرماتے ہیں:

ان الامـالة والتـفـخيم لغتان ليست احداهمااقدم من الاخرى بل نزل الـقـرآن بهماجميعا ......والجملة بعدالتطويل ان من قال ان الله تعالى لم ينزل الـقـران بـالامـالة اخـطاواعظم الفرية على ا لله تعالى وظن بالصحابة خلاف مـاهـم عليه من الورع والتقى وقداجمعت الامة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومناهذاعلى الاخذوالقراء ة والاقراء بالامالة والتفخيم، وماا حد مـن القراء الارويت عنه امالة قلت اوكثرت وهي يعنى الامالة لغة هوازن وبكر بن وائل وسعدبن بكر(كتاب الكامل بحواله منجدالمقرئين ص ٥٩-٦٠)

ترجمہ: یقیناً امالہ اور فتح دو ایسے لغات ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر تقدم وفوقیت حاصل نہیں بلکہ دونوں ہی کے موافق قرآن نازل ہوا ہے، اس کی بابت طویل بحث کا حاصل یہ ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو امالہ پر نہیں اتارا وہ خطاوار ہے اس نے ذات خداوندی پر بڑا اتہام لگایا اور صحابہ کے متعلق ایسا گمان کیا جو ان کی پرہیزگاری و پارسائی کے سراسر برخلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک امالہ وفتح کے پڑھنے پڑھانے اور اخذ کرنے پر پوری امت کا اتفاق ہے اور کوئی قاری بھی ایسا نہیں جس سے امالہ نہ منقول ہو کم ہو خواہ زیادہ اور امالہ ہوازن بکر بن وائل سعد بن بکر کا لغت ہے (دفاع قراآت)

حواشی وحوالہ جات

(۱)عن ابن عباس مرفوعا قال :أقرأني جبريل على حرف فراجعته، فلم أزل استزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف۔ (أخرجه البخارى ج۲ ص٧٤٦، م الحسن)

(۲)وفى رواية مسلم عن أبى ابن كعب بلفظ أن النبى صلى الله عليه وسلم كان عند أضاة بنى غفار فأتاه جبريل فقال:إن اللّٰه يأمرك أن تقرئ أمتك القرآن على حرف، فرددت إليه أن هون على أمتى۔ وفى رواية له إن أمتى لا تطيق ذلك۔ (صحيح مسلم ج١ ص٢٧٣، م، آرام باغ كراچى)

(۳)و للترمذى من وجه آخر أنه صلى الله عليه وسلم قال:يا جبريل! إنى بعثت إلى أمة أميين منهم العجوز والشيخ الكبير والغلام والجارية والرجل الذى لم يقرأ كتابا قط۔ الحديث (جامع الترمذى ج۲ ص١٢٢ ،م الحسن)

(٤)وأخرج البخارى عن عمر فى قصة طويلة، فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم:إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرء وا ماتيسر منه۔ (صحيح البخارى ج۲ ص٧٤٧،م الحسن)

(٥) وقال تعالىٰ : وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ (ابراهيم:٤)

(٦) وأخرج البخارى عن عثمان أنه قال للرهط القرشيين الثلاثة : إذا اختلفتم و زيد بن ثابت فى شىء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم۔ فافعلوا۔ (صحيح البخارى ج۲ ص٧٤٦، م الحسن)

(٧) وأخرج أبوداؤد من طريق كعب الأنصارى أن عمر كتب إلى ابن مسعود :أن القرآن نزل بلسان قريش فأقرئ الناس بلغة قريش، لا بلغة هذيل۔ وعن عمر أيضا أنه قال :إذا اختلفتم فى اللغة فاكتبوها بلسان مضر۔

(سنن ابی داؤد ج۲ ص ٤٢٠،م دھلی)

أخـرجـه الـحـافـظ فـى الفتح وعزاه إلى ابن أبى داؤد فى المصاحف وزياداته فى الفتح صحاح وحسان۔

(۸)وأخـرج البـخـارى وحذيفة أنه أفزعه اختلافهم فى القراء ة فقال حذيفة لعثمان :يـا أمير المؤمنين!أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا فى الكتاب اختـلاف اليهـود والـنصارىٰ۔ الخ۔ قال الحافظ :وفـى رواية يـونس فتذاكروا القرآن فاختلفوا فيه حتى كاد يكون بينهم فتنة۔ وفى رواية عمارة بن عزية أن حـذيـفة قـدم مـن غـزوـة، فـلـم يـدخـل بيته حتى أتى عثمان، فقال :يـا أمير المؤمنين !أدرك الناس۔ قال :وما ذاك؟ قال :غـزوت أرمينية فإذا أهل الشام يـقـرء ون بـقرائة أبى بن كعب فيأتون بما لـم يسمع أهل العراق، وأهل العراق يـقرئون بقرائة عبدالله بـن مسـعـود فيـأتون بما لم يسمع أهل الشام، فيكفر بـعـضهـم بـعـضا۔ وأخرج ابن أبى داؤد فى المصاحف من طريق أبى قلابة، قال :لـمـا كان فى خلافة عثمان جعل المعلم يعلم قرائة الرجل والمعلم قرائة الرجل فجعل الغلمان يتلقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين، حتى كـفـر بـعضهم بعضا، فبلغ ذلك عثمان، فخطب فقال :أنتـم عندى تختلفون فمن نأى منى من الأمصار أشد اختلافا۔

(۹)وأخـرج ابـن أبـى داؤد بـإسناد صحيح من طريق سويد بن غفلة قـال:قـال على:لاتقولوا فى عثمان إلا خيرا۔ فقال :فو الله ما فعل الذى فعل فى المصاحف إلا عن ملأ منا۔ قال :مـا تقولون فى هذه القراء ة فقد بلغنى أن بـعـضهـم يقول إن قرائتى خير من قرائتك وهذا يكاد أن يكون كفرا۔قلنا :فما تـرى؟ قـال:أرى أن نـجـمـع الـنـاس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا

اختلاف۔ قلنا :فنِعُمَ ما رأیت۔ (ص ١٦ ج٩،ص٤٢٤ ج٢،م دھلی)

قال الحافظ :وذهب أبوعبيد وآخرون إلى أن المراد بالأحرف السبعة اختلاف اللغات وهو اختيار ابن عطية، وتعقب بأن لغات العرب أكثر من سبعة، وأجيب بأن المراد أفصحها فجاء عن أبى صالح عن ابن عباس قال :نزل القرآن على سبع لغات منها خمس بلغة العجز من هوازن قال: والعجز سعد بن بكر وهشيم بن بكر ونصر بن معاوية وثقيف وهولاء كلهم من هوازن ويقال لهم :عليا هوازن ولهذا قال أبوعمرو ابن العلاء:أفصح العرب عليا هوازن وسفلى تميم يعنى بنى دارم۔وأخرج أبوعبيد من وجه آخر عن ابن عباس قال :نزل القرآن بلغة الكعبين،كعب قريش وكعب خزاعة۔ قيل :وكيف ذلك؟ قال :لأن الدار واحدة۔ يعنى أن خزاعة كانوا جيران قريش، فسهلت عليهم لغتهم۔ قالوا :أبوحاتم السجستانى نزل بلغة قريش وهذيل وتميم الرباب والأزد وربيعة وهوازن وسعد بن بكر۔اه ونقل أبوشامة عن بعض الشيوخ أنه قال :أنزل القرآن أ ولا بلسان قريش ومن جاورهم من العرب الفصحاء ثم أبيح لسائر للعرب أن يقرئه بلغاتهم التى جرت عادتهم باستعمالها على اختلافهم فى الألفاظ والأعراب ولم يكلف أحد منهم الانتقال من لغتهم إلى لغة أخرى للمشقة ولما كان فيهم من الحمية ولطلب تسهيل تفهيم المراد۔

(١٠) قال الحافظ:وتتمة ذلك أن يقال :إن الإباحة المذكورة لم تقع بالتشهى -أى أن كل أحد بفيد الكلمة بمرادفها فى لغته -بل المراعى فى ذلك السماع من النبى صلى الله عليه وسلم۔(ص٢٤ ج٩،ص٤٢٩ ج٢٠،م دھلی)

(١١)وعلى هذا وفيه أيضا أما من أراد قرائته من غير العرب

فـالاختيـار لـه أن يقرأه بلسان قريش لأنه الأولى وعلى هذا يحمل ما كتب به عـمـر إلـى ابـن مسـعـود لأن جـمـيـع الـلغات بالنسبة لغير العربى مستوية فى التـعبيـر۔ فـإذا لابـد مـن واحـدة فلتكن بلغة النبى صلى الله عليه وسلم۔ وأما الـعـربـى الـمجبول على لغته فلو كلف قرائته بلغة قريش لعثر عليه التحول مع إباحة اللّٰه لـه أن يـقرئه بلغته۔ ويشير إلى هذا قوله فى حديث أبى كما تقدم : هـون على أمتى۔ قوله :وإن أمتـى لا تطيق ذلك۔ قال الحافظ :ويدل على ما قرأه (أبوشامة) إنـه أنزل أولا بلسان قريش، ثم سهل على الأمة أن يقراه بغير لسـان قريش وذلك بعد أن كثر دخول العرب فى الإسلام، فقد ثبت أن ورود التـخـفيف بـذلك كـان بـعـد الهـجرة كما تقدم فى حديث أبى بن كعب أن جبـريـل لـقـى النبى صلى الله عليه وسلم عند أضاة بنى غفار۔ الحديث (وهو موضع بالمدينة النبوية) (ص٢٥ ج٩،ص٤٣٠ ج٢٠،م دهلى)

(١٢) قـال الـجزرى فى النشر :كـل قـرائة وافـقت العربية ولو بوجه ووافـقـت أحـد الـمـصاحف العثمانية ولو احتمالا وصح إسنادها فهى القرائة الـصـحيـحة التـى لايجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هى من الأحرف السبعة التـى نـزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عـن الـعشـرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين ومتى اختل ركن من هذه الأركـان الثـلاثة أطلق عليها ضعيفة أو شاذة أو باطلة سواء كانت عن السبعة أم عـمـن هـو أكبـر مـنهـم۔ هـذا هـو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف صرح بذلك الدانى ومكى والمهدوى وأبوشامة۔وهو مذهب السلف الذى لا يعرف من أحدهم خلافه۔

(١٣)وفى الاتقان للحافظ السيوطى أن القراء ة أنواع :

الأول: المتواتر، وهو ما نقله جمع لا يمكن تواطئهم على الكذب من مثلهم إلى منتهاه وغالب القرائة كذلك۔

الثاني: المشهور، وهو ما صح سنده ولم يبلغ درجة المتواتر ووافق العربية والرسم۔ وأشهر عند القراء فلم يعدوه من الغلط ولا من الشذوذ و يقراه به على ما ذكر ابن الجزرى ويفهمه كلام ابن شامة السابق ومثاله ما اختلف الطرق فى نقله عن السبعة فرواه بعض الرواة عنهم دون بعض وأمثلة ذلك كثيرة فى فرش الحروف من كتب القراء ات كالذى قبله۔

الثالث: الأحاد وهو ما صح سنده وخالف الرسم أو العربية أو لم يشتهر إلا اشتهار المذكورة ولا يقرء به وقد عقد الترمذى فى جامعه والحاكم فى مستدركه لذلك بابا إخراجا فيه كثيرا صحيح الإسناد۔ ه ملخصا۔ (۱،۸۱)،(ص ۷۱ ج ۱)

(۱٤) قال فى الشامية :القرآن الذى تجوز به الصلاة بالاتفاق،هو المضبوط فى المصاحف الأئمة التى بعث بها عثمان إلى الأمصار وهو الذى أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة وتفصيلا،فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ،وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحيح۔ ه ـ (شامية: ص۳۵۸ ج۱،م رشيديه كوئٹه)

(۱۵)قال أبوالخير محمد بن الجزرى :أما كون المصاحف العثمانية مشتملة على جميع الأحرف السبعة فإن هذه مسألة كبيرة اختلف العلماء فيها، فذهب جماعات من الفقهاء والقراء والمتكلمين إلى أن المصاحف العثمانية مشتملة على جميع الأحرف السبعة ابنوا ذلك على أنه لا يجوز على الأمة أن تهمل نقل شيء من الحروف السبعة التى نزل القرآن بها، وقد أجمع

الصحابة على نقل المصاحف العثمانية من الصحف التى كتبها أبوبكر وعمر، وإرسال كل مصحف منها إلى مصر من أمصار المسلمين وأجمعوا على على ترك ما سوىٰ ذلك، قال هٰولاء :ولا يجوز أن ينهىٰ عن القرائة ببعض الأحرف السبعة ولا أن يجمعوا على ترك شىء من القرآن، وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وأئمة المسلمين إلى أن هذا المصاحف العثمانية مشتملة على ما يحتمله رسمها فقط، جامعة للعرضة الأخيرة التى عرضها النبى صلى الله عليه وسلم على جبريل متضمنة لها، لم تترك حرفا منها۔قلت:وهذا القول هو الذى يظهر صوابه لأن الأحاديث الصحيحة والآثار المشهورة المستفيضة تدل عليه وتشهد له۔ (النشر فى القراء ات العشر: ص۳۱ ج۱)

(۱٦)قال العلامة بدرالدين العينى :واختلف الأصوليون هل يقرأ اليوم على سبعة أحرف؟ فمنعه الطبرى وغيره وقال:إنما يجوز بحرف واحد اليوم، وهو حرف زيد ونحى إليه القاضى أبوبكر۔وقال أبوالحسن الأشعرى:أجمع المسلمون على أنه لا يجوز حظر ما وسعه اللّٰه تعالىٰ من القرائة بالأحرف التى أنزلها اللّٰه تعالىٰ ولا يسوغ للأمة أن تمنع ما يطلقه اللّٰه تعالىٰ، بل هى موجودة فى قرائتنا مفرقة فى القرآن غير معلومة بأعياننا، فيجوز على هذا وبه قال القاضى :أن يقرأ بكل ما نقله أهل التواتر من غير تمييز حرف من حرف، فيحفظ حرف نافع بحرف الكسائى و حمزة ولا حرج فى ذلك۔ (عمدة القارى كتاب الخصومات ج۱۲ص۲۵۸)

(۱۷)قال القاضى أبوبكر:والسابع اختاره القاضى أبوبكر وقال : الصحيح أن هذه الأحرف السبعة ظهرت واستفاضت عن رسول اللّٰه صلى

الـلـه عليه وسلم وضبطها عنه الأئمة وأثبتها عثمان والصحابة فى المصحف۔ (البرهان فى علوم القرآن ج١ ص٢٢٣)

وأما قول من قال :أبـطل الأحرف الستة۔فقد كذب من قال ذلك،بل الأحـرف السبـعة كـلهـا موجودة عندنا قائمة كما كانت مثبوتة فى القراء ت المشهورة المأثور۔(ابن حزم، الفصل فى الملل والاهواء والنحل ج٢ ص٧٧، ٧٨)

(١٨) قـال ابوالوليد الباجى المالكى :فـإن قيل هل تقولون إن جميع هـذه السبـعة الاحـرف ثـابتة فـى المصحف فالقرائة بجميعها جائزة قيل لهم كذلك،نقول:والدليل على صحة ذلك قوله عزوجل: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَـه لَـحٰـفِـظُـوْنَ (الحجر:٩)ولا يصح انفصال الذكر المنزل من قرائته فيمكن حـفـظـه دونهـما، ومما يدل على صحة ما ذهبنا إليه إن ظاهر قول النبى صلى الـلـه عـليه وسلم يدل على أن القرآن أنزل على سبعة أحرف تيسيرا على من أراد قـرائتـه ليـقـرأ كـل رجـل مـنهم بما تيسر عليه وبما هو أخف على طبعه وأقـرب إلـى لـغتـه،لـمـا يـلـحـق مـن الـمشـقـة بذلك المألوف من العادة فى الـنـطـق۔ونـحـن اليـوم مـع عجمة ألسنتنا وبعدنا عن فصاحة العرب أحوج۔ (أبوالوليد الباجى، المنتقى شرح المؤطا ج١ ص٣٤٧)

(١٩)قـال الإمـام الغزالى :مـا نـقـل إليـنـا بين دفتى المصحف على الأحرف السبعة المشهور نقلا متواترا۔ (المستصفى: ج١ ص٦٥)

(٢٠)قال الملا على القارى :وكـأنه عليه الصلوٰة والسلام كشف له أن الـقرائة المتواترة تستقر فى أمته على سبع وهى الموجودة الاٰن المتفق على تـواتـرهـا، والـجـمهـور عـلـى أن مـا فـوقهـا شاذ، لا يحل القرائة به۔ (مرقاة المفاتيح: ج٥ ص١٦)

الإنتباه:

وما قال الملا على القارى والجمهور على أن ما فوقها شاذ الخ، ليس بصحيح لأن ما وراء السبعة ليس بشاذ، بل العشرة كلها متواترة، وما فوقها شاذ وهذا مالا شك فيه كما لا يخفىٰ على أحد، (عبدالقدوس ترمذى غفرله)

(٢١) قال الشاه ولى الله:

ولیل برآنکہ ذکر سبعہ بجہت تکثیر است نہ برائے تحدید اتفاق ائمہ است بر قرائات عشر وہر قرآتے را ازیں عشرہ دو راوی است وہر یکے با دیگرے مختلف است پس مرتقی شدہ عدد قرائتہ تا بیست ۔(المصفٰی ۱۸۷)

(٢٢)قال العلامة محمد أنور شاه كشميرى:واعلم أنهم اتفقوا على أنه ليس المراد من سبعة أحرف القراء ة السبعة المشهورة، بأن يكون كل حرف منها قرائة من تلك القرائات، أعنى أنه لا انطباق بين القراء ات السبع والأحرف السبعة كما يذهب إليه الوهم بالنظر إلىٰ لفظ السبعة فى الموضعين،بل تلك الأحرف والقرائة عموم وخصوص وجهى، كيف، وإن القرائات لا تنحصر فى السبعة،كما صرح ابن الجزرى فى رسالة النشر فى القرائة العشر، وإنما اشتهرت السبعة على الألسنة لأنها التى جمعها الشاطبى۔ ثم اعلم إن بعضهم فهم أن بين تلك الأحرف تغايرا من كل وجه، بحيث لا ربط بينها وليس كذلك،بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزيد والأخرىٰ بالأبواب،ومرة باعتبار الصيغ من الغائب والحاضر، وطورا بتحقيق الهمزة وتسهيلها، فكل هذه التغييرات يسيرة كانت أو كثيرة حرف برأسه،وغلط من لهم إن هذه الأحرف متغايرة كلها بحيث يتعذر اجتماعها أما إنه كيف عدد السبعة فتوجه إليه ابن الجزرى وحقق أن التصرفات كلها

ترجع إلى السبعة، وراجع القسطلانى والزرقانى، بقى الكلام فى أن تلك الأحرف كلها موجودة أو رفع بعضها وبقى البعض فاعلم أن ما قرأه جبريل فى العرضة الأخيرة على النبى صلى الله عليه وسلم كله ثابت فى مصحف عثمان،ولما يتعين معنى الأحرف الستة منها وبقى واحد فقط۔ (فيض البارى: ج٣ص ٣٢١،٣٢٢)

(٢٣)قال المحقق العلامة محمد زاهد الكوثرى :والأوّل رأى القائلين بأن الأحرف السبعة كانت فى مبدء الأمر ثم نسخت بالعرضة الأخيرة فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم فلم يبق إلا حرف واحد ورأى القائلين بأن عثمان جمع الناس على حرف واحد ومنع من الستة الباقية للمصلحة، وإليه نحى ابن جرير وتهياه ناس فتابعوه لكن هذا رأى خطير، قام ابن حزم بأشد الكبير عليه فى الفصل وفى الأحكام، وله الحق فى ذلك، والثانى رأى القائلين بأنها هى الأحرف السبعة المحفوظة كما هى فى العرضة الأخيرةالخ۔ (مقالات الكوثرى :ص ٢٠،٢١ ،مطبعة الانوار قاهره ١٣٧٢ھ)فقط وفى هٰذا كفاية لمن له ادنٰى دراية والله ولى التوفيق والهداية۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۲۱ر صفر الخیر ۱۴۳۶ھ

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب (قسط۳)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ اپنے متعلقین کے اصلاحی مکاتیب کا جواب بہت جلد عنایت فرمایا کرتے تھے اور جواب ایسا ہوتا کہ سالک کی تشفی ہو جاتی تھی۔ ذیل میں افادۂ عام کے لیے بعض وہ اصلاحی مکاتیب اوران کے جوابات جو ''حیات ترمذی'' میں شائع ہو چکے ہیں پیش کیے جارہے ہیں۔ (ادارہ)

حال: کیا توبہ کے بعد بھی بداعمالیوں کے متعلق سوال ہوگا مغفرت سے مراد بالکل معافی اور گناہوں پر لکیر مارنے سے مراد یہی ہے کہ سوال نہ ہوگا۔

ارشاد: ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

حال: یہ خیال بھی آتا رہتا ہے کہ اگر موت کے وقت بھی میرے گناہ میرے ذہن میں رہے اوران کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آیا تو میرا کیا بنے گا۔

ارشاد: رحمت کا معاملہ ہوگا ان شاء اللہ یہ خطرہ ہی رحمت کا سبب بن جائے گا۔

حال: بدنظری کیا ہے جب گھر سے نکلا جاوے تو سڑکوں پر عورتوں کے گروہ ہوتے ہیں اچانک اور بغیر قصد کے نظر پڑ جاتی ہے۔

ارشاد: بغیر قصد کے نظر معاف ہے قصداً نظر گناہ ہے۔

حال: ان کے دل پر اثرات بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ایک نفرت بھی اور غصہ بھی۔

ارشاد: بس نظر کو نیچا کر کے خود کو بچا لینے کی کوشش کافی ہے۔

حال: بوقت ضرورت بازار جانا ہی ہوتا ہے ان حالات سے بڑی پریشانی ہے۔

ارشاد: نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اپنی توجہ کو قابو میں رکھیں۔

حال: کیا اچانک نظر پڑنے کے بعد خود بخود بشر ہونے کی صورت میں دل میں کوئی

خیال آوے تو اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

ارشاد: نہیں۔

حال: بعض وقت فوری طور پر بڑے عجیب خیالات آتے ہیں جن سے دل ڈرتا بھی ہے اور وہ خیالات آناً فاناً بقصد دور ہو جاتے ہیں۔

ارشاد: بس پھر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

حال: بغرض اپنی اصلاح کے اپنے حضرات میں سے کسی کے پاس رہنا نصیب نہیں ہوا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے نوازیں ان کے بعد ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور وہ ان کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

حال: اب جی چاہ رہا ہے کہ چند دنوں کیلئے آنجناب کی خدمت میں حاضری دوں۔

ارشاد: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات بالالتزام دیکھتے رہیں ان سے بنسبت میرے پاس رہنے کے زیادہ فائدہ ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں۔

حال: بعض دفعہ میری بیوی کہنا نہیں مانتی جبکہ ہر طرح سے اس کو راحت پہنچا کر مجھے راحت ہوتی ہے اس کو میں نے قرآن پاک حفظ کروایا جبکہ اس کی عمر تقریباً پچاس برس سے زائد تھی سارے خاندان میں یہ واحد عورت ہے جو حافظہ ہے۔

ارشاد: بس آپ کو اس خوشی میں سب باتوں کو برداشت کرنا چاہئے اور صبر پر اجر کا خیال جمانا چاہئے،

حال: اس کے علاوہ احقر اپنی بیوی کو ماہانہ جیب خرچ دیتا ہے تاکہ اس کو اپنی مرضی سے خرچ کر لے۔

ارشاد: یہ حسن معاشرت اور بہت اچھی بات ہے۔

حال: ان تمام حالات و معاملات کے باوجود پھر اس کے دل میں میری ذرا بھی قدر

نہیں۔

ارشاد: دل میں قدر ہوتے ہوئے بھی بعض دفعہ طبیعت کی کمزوری سے ایسے افعال واقوال صادر ہوجاتے ہیں ان پر زیادہ خیال نہ کیا جائے اور زیادہ سوچا نہ جائے معاملہ کو جلدی سے رفع دفع کر دیا کریں۔

حال: پھر ذہنی الجھن میں طرح طرح کے ذہن میں خیال آتے ہیں شیطان بھی اس وقت پوری طرح سے دماغ پر مسلط ہوتا ہے۔

ارشاد: اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے بجبر اپنے کو کسی دوسرے کام میں لگالیا جائے۔

حال: مزید یوں کہتی ہے کہ آپ سے دوسرے اپنی بیویوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

ارشاد: اس بحث میں نہ پڑیں جو بہتر سلوک ہوسکے وہ کرتے رہیں۔

حال: حضرت اسے کچھ تو احساس ہونا چاہئے جبکہ اس کا پورا پورا خیال رکھا جاوے۔

ارشاد: نرمی سے ہی احساس ہوسکتا ہے مطالبہ کرنے یا دل کے تقاضہ کرنے سے اپنی طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے یہ نہیں چاہئے۔

حال: اگر اسے کسی قسم کی کوئی خواہش ہو تو صاف صاف کہے کہ مجھے فلاں چیز کی خواہش ہے۔

ارشاد: یہ عورتوں کی کمزوری ہے اور جیسا کسی کو اللہ تعالیٰ نے بنادیا ہے اس کے ساتھ اسی طرح نباہ کرنا چاہئے۔

حال: خاوند پر بیوی کے فرائض اور واجبات کے درجہ میں کیا کیا حقوق ہیں۔

ارشاد: بہشتی زیور اور وعظ ''حقوق البیت'' غور سے پڑھیں۔

حال: ذہن پر بہت بڑا بوجھ ہے کہ میں اتنی کوشش کے باوجود اسے خوش نہیں کر سکا۔

ارشاد: بوجھ نہیں ہونا چاہئے جو کوشش اختیار میں ہے اسے کرتے رہنا چاہئے۔

حال: میری ساری محنت اور کوشش بے کار گئی۔

ارشاد: نہیں اس کا بہت اجر ملے گا ان شاء اللہ۔

حال: خدا جانے میری نماز روزہ وغیرہ بھی عنداللہ مقبول ہیں یا نہیں۔

ارشاد: حسن ظن رکھنا چاہئے کہ قبول ہیں۔

حال: ایک بندہ جس کو راضی کرنے میں میرا اپنا حظ ہے نہیں کرسکا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا حال ہوگا۔

ارشاد: وہ بہت کریم ہیں اور قدر دان ہیں بہت جلد راضی ہو جاتے ہیں۔

حال: بہت زبان دارا ز ہے کوئی بات نہیں ہوتی جس کا جواب نہ دے۔

ارشاد: صبر ہی اس کا علاج ہے۔

حال: ان تمام مضامین میں میرے جو جو امراض ہیں ان کا علاج اور دعا فرماویں۔

ارشاد: صبر اور تحمل ہی وہ کلی علاج ہے جس کے سوا دوسرا علاج نہیں ہے باقی خود بھی دعا کرتے رہا کریں اور سوچا کریں کہ اس صورت میں میرے لئے اجر مقدر فرمایا گیا ہے بس یہ مراقبہ جاری رکھیں باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: آج کل دنیا سے دل بالکل اچاٹ ہو گیا اور اپنے رشتہ داروں سے بھی ایک قسم کی مایوسی سی ہے اور دل یہی کہتا ہے کہ یہ سب مطلب کے ہیں اور کسی کو میرے ساتھ کوئی انس یا محبت نہیں ہے۔

ارشاد: پھر بھی سب کے حقوق کی ادائیگی کا خیال بہر حال ضروری ہے۔

حال: اپنے آپ کو بالکل ذلیل اور گناہ گار بے عقل کمتر خیال کرتا ہوں نہ زندگی میں کوئی لطف ہے نہ کوئی آرزو عجیب ایک بے ذوق سی حالت ہے یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں اللہ کی ناشکری نہ ہو۔

ارشاد: ایسی کیفیات ہمیشہ نہیں رہا کرتیں خود بخود اس میں اعتدال آ جائے گا۔

حال: بہت سوالات اور خیالات آتے ہیں مگر اللہ کی حکمت کہ جب لکھنے بیٹھتا ہوں

تو سب سوالات اور خیالات غائب ہوجاتے ہیں۔

ارشاد: اس میں یہی حکمت ہے اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوں۔

حال: روضہ اطہر کے دیوار والی مٹی کو اگر خوب پیس کر سرمہ کی شکل میں استعمال کیا جاوے تو شرعاً ممانعت تو نہیں۔

ارشاد: نہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جالی مبارک کی مٹی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

حال: روضہ شریف کی مٹی کے متعلق اگر یہ وصیت کی جاوے کہ موت کے غسل وکفن کے موقع پر میرے سینہ پر مل دی جاوے تو یہ صحیح وصیت ہوگی۔

ارشاد: کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا مگر مقدار معمولی ہو بدن پر زیادہ نہ لگے۔

حال: دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور رحمت سے میری بخشش فرمائیں جس کے متعلق مجھے ہر وقت فکر دامن گیر رہتا ہے۔

ارشاد: فکر والوں کی اللہ تعالیٰ امداد فرماتے ہیں دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: آجکل مکان کی سخت پریشانی ہے دوکان سے کافی دور ہے بس پر آنا جانا پڑتا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

ارشاد: ان شاء اللہ اجر بھی روزی حلال کمانے کا زیادہ ملنے کی امید ہے۔

حال: محلّہ والوں نے تقاضا کیا کہ ہم خود مکان خرید لیتے ہیں تم اس میں کرایہ پر رہو مگر اس وجہ سے انکار کیا کہ اتنا بڑا احسان بھی ٹھیک نہیں دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ہے جو کہ ہمارے لئے نعمت ہے اس بے قدری سے اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہو۔

ارشاد: احسان لینا جائز تو تھا مگر نہ لینا بہتر ہے۔

(جاری...........)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

استعانت بالکفار کا شرعی حکم

ایک شبہ کا جواب

ازافادات

فقیہ الامت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر طلبہ کے مابین اکثر یہ سوال زیر بحث تھا کہ استعانت بالکفار کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ سوال اس وقت زیادہ شدت سے پیدا ہوا جب جمعیت علماء ہند کے اکابر نے تقسیم ہند سے قبل کانگریس سے اشتراک کیا اور دونوں نے مل کر ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ چونکہ پہلے ہی اس کے عدم جواز کا فتویٰ تحریر فرما چکے تھے جیسا کہ آپ کے رسالہ ''شق الغیض عن حق علی وحسین'' مندرجہ ''بوادرالنوادر'' کے دیکھنے سے واضح ہے لیکن علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت نہ صرف اس کی شدومد سے حامی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اس نے کانگریس سے اشتراک کیا ہوا تھا علماء کرام کے اس باہمی اختلاف کی وجہ سے عوام وخواص علماء اور طلبہ میں خاصا اضطراب واختلاف پایا جاتا تھا۔ طلبہ میں بھی بحث ومباحثہ کا بازارگرم رہتا تھا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نزدیک کانگریس میں شرکت کفار کی متابعت کے مترادف تھی اس لئے حضرت نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس پر یہ شبہ کیا جارہا تھا کہ جب کانگریس نے مذہب کے تحفظ کو اصولاً منظور کررکھا ہے اور دوسرے فریق کو کانگریس سے مخالفت کا بھی حق حاصل ہے تو پھر اس اشتراک کو متابعت قرار دے کر ناجائز کہنا اور غیر مجتہد فیہ قرار دینا کیسے صحیح

ہوسکتا ہے اس اشکال کی بنا پر حضرت تھانوی کے فتویٰ عدم جواز کو محل نظر قرار دیا جارہا تھا حضرت والد صاحب نے اپنے ایک مکتوب بنام والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی میں بھی اس اشکال کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

مکتوب گرامی بنام حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی

قبلہ وکعبہ ام جناب والد صاحب مدظلہم العالی لازالت شموس فیوضکم بازغۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض خدمت والا درجت آنکہ ایک عرصہ سے استعانت بالکفار کے متعلق اہل علم حضرات میں تحریراً وتقریراً جو اختلاف چل رہا ہے اس کے سننے اور دیکھنے کی نوبت آتی رہتی ہے ان مضامین کے اکثر اجزاً کا تو فیصلہ ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ دعویٰ میں غلو اور استدلال کی غلطی کا پتہ چل جاتا ہے کبھی اپنے تتبع سے بھی دریافت کر لینے سے لیکن ایک اشکال ہنوز اچھی طرح رفع نہیں ہوا وہ یہ کہ کانگریس نے مذہب وغیرہ کے تحفظ کو اصولاً منظور کر رکھا ہے اور کبھی کسی تجویز شدہ عمل میں وہ خلاف کردیتے ہیں تو اراکین جمعیت اس پر نہ عمل کرتے ہیں نہ سکوت بلکہ نکیر اور احتجاج کرتے ہیں پھر اس صورت کو صرف اس بناء پر کہ داخلہ یعنی ممبری کانگریس میں انفرادی اور بلاشرط ہے اس شرکت کو ایسی کھلی متابعت قرار دینا جس میں اجتہاد واختلاف رائے کی گنجائش نہ ہو اس میں ہنوز تأمل ہے موجودہ نتائج اور آئندہ عواقب پر نظر کر کے اس شرکت کے عدم جواز کا راجح ہونا تو محتاج دلیل نہیں رہا مگر یہ اشکال کسی درجہ تک باقی ہے کہ جو حضرات نیک نیتی سے مصالح دینیہ حاصل ہونے کی خاطر اتباع باطل سے کلی احتراز کرتے ہوئے کانگریس میں شامل نہیں ان کے شمول کو خلاف شرع اور معصیت کس بنا پر قرار دیا جاوے جبکہ روایات حدیث وفقہ سے بعض حالات میں ممانعت معلوم ہوتی ہے اور بعض حالات میں اجازت، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدار مسلمانوں کی مصلحت پر ہے، اس لئے یہ خلجان ہے کہ کیا مصلحت

اور منفعت میں رائے کا اختلاف کیوں نہیں ہوسکتا، اگر ہوسکتا ہے تو جو حضرات اس شرکت کو نافع سمجھ کر شرکت کررہے ہیں وہ گنہگار کیوں ہوں گے اجتہادی خطا کے سبب معذور کہا جاوے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جناب کی طویل علالت طبع اور ہجوم مشاغل کو دیکھتے ہوئے ایسی تکلیف دینا مناسب نہیں مگر مسئلہ کی اہمیت اور اشکال کی قوت کے باعث مجبوراً تکلیف دہی کی جرأت کرتا ہوں امید کہ اس مسئلہ کو قریبی فرصت میں کسی قدر تفصیل وبسط کے ساتھ سپرد قلم کر کے ممنون فرماویں گے۔ والسلام مع الاکرام

اس مکتوب گرامی میں جس انداز سے مذکورہ اشکال کا ذکر کرتے ہوئے جمعیت علماء ہند کے اکابر کی کانگریس کے ساتھ اتحاد واشتراک کو جائز اور مجتہد فیہ قرار دینے کی سعی کی گئی ہے وہ آپ کے سامنے ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس اشکال کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ اختلاف فروعی اجتہادی اور راجح مرجوح کا اختلاف ہوگا جس میں دنوں جانب حق اور صواب کی گنجائش ہوگی اور پھر اس صورت میں کسی بھی فریق کو بالیقین مخطی اور عاصی وگنہگار قرار نہیں دیا جاسکے گا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اشکال اگرچہ بظاہر بہت جاندار اور قوی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک مغالطہ پرمبنی ہے جو استعانت کے مفہوم کو پورے اور صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اگر استعانت کا مفہوم اور کانگریس سے اشتراک کی حقیقت سامنے رکھی جائے تو پھر یہ اشکال خود بخود ختم ہوکر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ کی حقانیت سامنے آجاتی ہے۔ بہرحال حضرت والد صاحب نے زبانی زد عام خواص اور مشہور اشکال کا ذکر جب اپنے والد ماجد سے کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں ''القول المختار فی تحقیق الاختلاط بالکفار'' کے نام سے ایک مفصل ومبسوط اور تحقیقی جواب تحریر فرمایا جس میں سوالات کا مفہوم اور کانگریس سے اشتراک کے عدم جواز کو دلائل سے ثابت فرمایا۔ افسوس کہ حضرت جد امجد قدس سرہ کا یہ پورا مضمون اس وقت دستیاب نہیں ہے لیکن جتنا حصہ مل سکا اسے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ لان مالا یدرك كله لايترك كله۔

جواب مکتوب گرامی

المسمیٰ بہٖ

القول المختار فی تحقیق الاختلاط بالکفار

از: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی

نور چشم قاری عبدالشکور دام بالبہجۃ والسرور

السلام علیکم

مسرت نامہ موصول ہوا اب تک پوری تفصیل سے جواب لکھنے کی قوت اور فرصت نہیں زیادہ تاخیر ہونے کی وجہ سے متوسط جواب درج ذیل ہے، اول تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی سے تشفی ہو جائے گی اگر کسی جزء میں شبہ رہ جائے تو مکرر دریافت کر لیں۔

موالات کفار کی حرمت تو آیات کثیرہ میں موجود ہے اور موالاۃ کا مفہوم صرف قلبی دوستی میں منحصر نہیں بلکہ مناصرت یعنی اعانت واستعانت کو بھی شامل ہے جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

نهواعن موالاتهم (الیٰ قوله) وعن الاستعانة بهم فی الغزو وسائر الامور الدنية (ص۲۲۶ ج۱)

جصاص میں ہے:

فتضمنت هذه الآية النهی عن اتخاذ الكفار اولياء وانصارا والاعتزاز بهم والالتجاء اليهم (ص۳۵۲ ج۲)

نیز ۵۵۲ میں ہے:

فيه نهی عن الاستنصار بالمشركين لان الاولياء هم الانصار۔

اور نیسابوری میں ہے:

وهوالركون اليهم والمعونة والمظاهرة لقرابة اوصداقة قبل الاسلام اوغير ذالك(الى قوله) فهذالايوجب الكفر الاانه منهى عنه......اى يجره الى استحسان طريقته والرضاء بدينه۔

پس جب موالات میں مناصرۃ داخل ہے تو تمام آیات جو حرمت موالاۃ پر دال ہیں وہ اعانت واستعانت بالکفار کی حرمت پر بھی صراحۃً دلالت کرتی ہیں اس دلالت کی صحت وصراحت بلکہ قطعیت میں کوئی شبہ نہیں جو مزید استدلال کی ضرورت باقی رہے مگر ولی اور موالات کے لفظ سے زیادہ صریح لفظ بھی قرآن مجید میں موجود ہے اس کو ذکر کر دینا بھی مزید تقویت کا باعث ہے:

قال الله تعالیٰ: فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجد تموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولانصيرا الاالذين يصلون الى قوم بينكم وبينهم ميثاق قال صاحب الروح اى جائيوهم مجانبة كلية ولاتقبلوا منهم ولاية ونصرة ابدا والاستثناء من الضمير فى قوله سبحانه فخذوهم واقتلو هم (الى قوله) ولا يجوزان يكون استثناء من الضميرفى لا تتخذوا وان كان اقرب لان اتخاذ الولى منهم حرام مطلقا(مثله فى تفيسر ابى السعود)(ج۳)

پس قرآن مجید سے تو اعانت واستعانت دونوں کی ممانعت حرمت علی الاطلاق صریح طور پر ثابت ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، اب روایات حدیث پر نظر ڈالنا چاہئے سو روایت عائشہ میں (غزوہ بدر میں) مسلم وغیرہ میں لانستعين بمشرك موجود ہے۔

قالت خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى بدرحتى اذاكان بحرة الوبرة ادركه رجل من المشركين كان يذكر منه جرأة ونجدة فسر المسلمون

بـه فـقـال یارسول الله جئت لا تبعك واصیب معك فقال رسول الله صلى الله علیـه وسـلـم اتؤ من بالله ورسوله قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرك قالت فـمـضـی رسـول الله صـلـى الله عـليه وسلم حتى اذاكان بالبیداء ادركه ذالك الـرجـل فـقـال له رسول الله صلى الله علیه وسلم اتؤمن بالله ورسوله قال نعم قال فانطلق متفق علیه ورواه الجوزجانی ومغتی (ص۴۵۷)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حبیب سے روایت کی ہے:

روی احمد باسناده عن عبید الرحمن بن حبیب قال اتیت رسول الله صـلـى الله عـلیـه وسـلـم وهو یرید غزوة فاذا رجل من قومی ولـم نسلم فقلنا انا نستـحـی ......بشهـد قـومـنـا مشهـد الانشهده معه قال فاسلمتم قلنا لاقال لا نستیـن بـالـمشـرکین علی المشرکین قال فاسلمنا وشهد نامعه۔قال فی الفتح رواه الحاكم وقال صحیح الاسناد

اورغزوہ احد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا:

لانستعین بمن لیس علی دیننا۔

ان روایات میں کوئی حالت مستثنیٰ نہیں اس لئے بہت حضرات اس طرف گئے ہیں کہ کسی حال میں بھی کفار سے استعانت جائز نہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

وابن المنذر وجماعة لایجو ز ون ذالك۔

اور مغنی میں ہے:

لایستـعـان بمشرك وبهٰذاقال ابن المنذروالجوزجانی وهذااختیار ابن المنذرو الجوزجانی فی جماعة من اهل العلم۔

اور محلی میں ابن حزم نے کہا:

قال جوز جانی ابو سلیمان لایستعان بهم(ص ٤ ٣ ٣ ج ٧)

اور جن راویتوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کفار کو شریک فرمالیا تھا ابن المنذر ان کی بابت فرماتے ہیں:

والذی ذکر انه استعان بهم غیر ثابت (ص ۴۵۷ ج ۱۰)

نیز علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے:

ولاشك ان هذه لاتقادم احادیث المنع فی القوة فکیف تعارضها اور گو ابن حزم نے کہا ہے: رویناه عن الزهری من طرق کلها صحاح عنه لیکن ابن ہمام نے فرمایا ہے:

ان یحی بن القطان کان لایری مراسیل الزهری وقتادة شیئاً ویقول هی بمنزلة الریح او صفوان۔

ابن امیہ کی غزوہ ہوازن میں جو شرکت آئی ہے اس کا طحاوی کی طرف سے یہ جواب کہ حضور نے امر نہیں فرمایا تھا...... اس کی بابت حافظ ابن حجر کا...... بالکل درست ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ صفوان اس وقت مؤلفة القلوب میں تھا اس کو حصہ بھی مؤلفة القلوب کے سہام میں سے دیا گیا جبکہ مغنی کی روایت میں تصریح ہے کہ (ص ۴۵۶ ج ۱) اور پھر قریب ہی وہ ایمان ہی لے آیا تھا۔

اور بعض حضرات نے جواز استعانت پر ان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر سے استدلال کیا ہے اس کی بابت علامہ عینی وغیرہ نے کہا ہے:

لاتعارض لان المشرك غیر المسلم الفاجر یعنی اس سے استعانت بالفاسق کا جواز ثابت ہوگا نہ استعانت بالکافر کا۔

مگر امام سرخسی نے جو روایت لی ہے اس میں فاجر کی جگہ باقوام لاخلاق لهم فی الآخرة ضعیف (عزیزی) وارد ہوا ہے اس سے کفار کا مراد ہونا متبادر ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس استدلال میں بھی ایک قوی شبہ ہے اول تو اس تائید سے تائید تکوینی کا

احتمال غالب ہے نہ تشریعی کا دوسرے مآل اور انجام اس شخص کا فجور کی طرف ہوگیا تھا استعانت کے وقت اس کا فجور ظاہر نہ تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے:

ولایعارضہ قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نستعین لانہ محمول و کفر علی من یظھر الکفر (فتح ص۳۶۴ ج ۷)

حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس گرانقدر علمی مضمون میں مذکورہ اشکال کا جو جواب دیا گیا ہے اس سے کانگریس کے ساتھ اشتراک کی عدم صحت بالکل عیاں ہے اہل علم اس مسئلہ کی پوری تفصیل کے لیے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے رسالہ ''ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

اس دور کے حالت کے پیش نظر اسلامی وشرعی نقطہ نگاہ سے حضرت مفتی اعظم نے جو فتویٰ جاری فرمایا تھا حضرت اقدس تھانوی کے تمام متوسلین نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اس میں بھرپور کردار ادا کیا جس کے نتیجہ میں ۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آئی اس کیلئے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کا ایک عظیم حصہ اور سنہری باب ہے چونکہ یہ مملکت اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی اس لئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کی احقر کے آباؤ واجداد بھی انہیں حضرات میں شامل تھے۔

(ماخوذ از: حیات ترمذی)

علامہ مولانا محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم

ایک نومولود فتنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفى والصلوة والسلام على سيد الرسل وخاتم الانبياء اما بعد:

دین اسلام کامل مکمل دین ہے جو قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تبارک وتعالی نے خود لیا ہے قرآن وسنت کی حفاظت امت محمدیہ کیلئے بہت بڑا انعام ہے کیونکہ آج امم سابقہ کی کتب سماویہ موجود ہیں نہ شرائع یہود ونصاری نے ان میں ایسی تحریف وتغییر کی ہے کہ صرف ان کتب کا نام تو باقی رہا مگر کتب باقی نہیں رہیں آج تک یہود ونصاری باوجود متعدد انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے اپنے دین و مذہب میں حیران وسرگرداں ہیں اور بے اطمینانی کے جنگل میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

صرف دین اسلام ہی ہے جو اپنے اصلی روپ میں زندہ وتابندہ ہے اور روز قیامت تک باقی رہے گا امت محمدیہ عملی کمزوریوں کے باوجود تسکین قلبی و اطمینان سے سرشار ہے والحمدللہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیرا۔

یہود وہنود مجوس ونصاری شرک کی دلدل میں ایسے پھنسے ہیں کہ ان کی کشتی کبھی بھی شرک کے کیچڑ سے نہیں نکل سکتی دین اسلام جیسا اعلی مذہب قرآن مقدس جیسی جامع اکمل کتاب، کرہ ارض پر نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت سے آج تک یہود ونصاری ہنود ومجوس بلکہ روئے زمین کے تمام کافر اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی سعی لاحاصل کرتے رہے اللہ رب العزت نے ہر دور میں کفار کو ذلیل وخوار کیا، مسلمان ہر دور میں کامیاب رہا آنحضرت ﷺ نے تقریبا ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ غزوے کئے کم وبیش ۶۰ سرایا کفار کے مقابلہ کیلئے

روانہ فرمائے، خلفائے راشدین نے کسی ایک لمحہ کیلئے جہاد نہیں چھوڑا بلکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقریبا آدھی دنیا پر حکمران رہے کم وبیش ۶۵ لاکھ مربع میل کا رقبہ انہی کے زیر تصرف رہا ہر دور میں کامیابی وکامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے اسلام کا پرچم ہمیشہ بلند رہا۔

تاریخ شاہد ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف فتنوں نے مختلف عقائد ونظریات وضع کئے اور ان پر ملمع سازی کر کے عوام وخواص کو متاثر کرنے کیلئے کئی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے اور امت محمدیہ کو ہر لحاظ سے پریشان کرنے کی کوشش کی، مگر ہر دور میں اہل حق نے ان کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کر کے انہیں بے آبرو کر دیا ہمیشہ انہیں ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ فرق باطلہ کا یہ وتیرہ رہا کہ انہوں نے پہلے اپنے اصول وعقائد اختراع کئے پھر ان کو قرآن وسنت سے ثابت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور خالی الذہن عوام الناس کو صراط مستقیم وطریق مستوی سے ہٹا کر اپنا مطیع ومتبع بنانے کی کوشش کی۔

جاوید احمد غامدی کا فتنہ ان فتنوں کے مقابلے میں جدید اور نومولود فتنہ کی حیثیت رکھتا ہے بندہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن نزد گرومندر کراچی میں درس وتدریس کے سلسلہ میں ۲۲ سال سے حاضر ہوتا ہے وہاں کے طلبہ اور عوام وخواص نے غامدی فتنہ کے بارے میں بندہ سے کئی سوالات کئے بندہ نے متعدد سوالات کے متعدد جوابات دیے اور علماء میں سے ایک صاحب غامدی صاحب کی متعدد کتب بندہ کے سامنے لائے۔ بندہ نے ان کتب کی ورق گردانی کے بعد عرض کیا کہ یہ شخص خواہشات نفس اور خیالات کا پرستار و پجاری ہے اس کا پروگرام یہ ہے کہ ماقبل میں جن مشائخ واسلاف نے جو کچھ کہا اور لکھا وہ سب فرسودہ و بیکار ہے اور جو کچھ میں نے کہا اور لکھا ہے وہ صحیح ہے درحقیقت یہ لاہوری مرزائیوں کا مدّاح ہے۔ تفصیل کے لیے کتاب ''اختلاف سلسلہ احمدیہ'' طبع احمدیہ انجمن لاھور ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین مفسرین ومحدثین

فقہاء اور متکلمین پر اعتماد نہ کرو صرف میرے او پر اعتماد کرو اس کا غرور اور تکبر وتعلّی اس کے فحوائے کلام سے آشکارا ہے اس کی تعبیرات وتاویلات تشریحات وتوضیحات بعینہ مرزا غلام احمد قادیانی ،منکر حدیث غلام احمد پرویز ،غیر مقلدین ،محبّ روافض مودودی ،اور منکرین حیاۃ النبی ﷺ مماتی گروہ کی طرح ہیں جس طرح یہ لوگ ''ہمچوں ما دیگرے نیست ،انا ولا غیری'' کے مریض تھے اسی طرح غامدی صاحب بھی اسی مرض کا شکار ہیں اس کی کتب عقائد ونظریات کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جاوید احمد غامدی ذہنی آوارگی خود ثنائی خود پسندی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے یہ شخص کج روی وگمراہی کی طرف کوشاں ہے۔اس زعم باطل میں گرفتار ہے کہ امت محمد یہ ساڑھے چودہ سو سال کے عرصہ دراز سے: ضلالت وگمراہی کا شکار ہے اور میں ہی صرف صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب جادۂ حق اور دائرہ اطاعت سے باہر نکل گیا ہے۔ عوام وخواص اس کے فریب وعیاری سے اجتناب کریں اور اہل حق کے ساتھ وابستگی رکھیں اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس جدید فتنہ سے بچائے قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ رب العزت نے پاک وہند میں جہاں علمائے دیوبند کو قرآن وسنت کی خدمت کیلئے سرفراز فرمایا وہاں دین اسلام کے دفاع کیلئے بھی اسی جماعت کو منتخب فرمایا چنانچہ فرق باطلہ کی سرکوبی واستحصال مقابلے ومباحثے مناظرے انہی حضرات نے کئے اور ہر دور میں ہر نئے اٹھنے والے فتنے کو پسپا اور رسوا کر کے اسلام کا پرچم بلند کیا ہے۔

''مجلّہ صفدر'' کے احباب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے حال ہی میں ''غامدی نمبر'' نکال کر عوام وخواص کو اس کی کج روی واختراعی عقائد ونظریات سے بر وقت متنبہ کیا اور اس کا بھرپور سدباب کیا۔اللہ تعالیٰ ''مجلّہ صفدر'' کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔(آمین)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت

اخبارات کے ذریعہ یہ معلوم ہوکر بڑا قلق ہوا کہ یادگار اسلاف حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سابق مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی بھی اس دارفانی سے رحلت فرما گئے ہیں اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم چار سال کے عرصہ سے بیمار اور مختلف عوارض میں مبتلا تھے بالآخر ۸/اگست کو انہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان ہسپتال میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے آمین۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء بمقام کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے آپ کے والدگرامی حضرت مولانا قاضی نجم الدین صاحب رحمہ اللہ علاقہ کے بڑے عالم اور قاضی تھے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کریم اپنے علاقہ میں ہی کیا پھر تین سال تک ضلع سرگودھا کے عظیم اور قدیم ادارہ سراج العلوم میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیرسایہ تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں آپ نے جامعہ خیرالمدارس جالندھر میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ تک کی تعلیم خیرالاساتذہ حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری رحمہ اللہ اور دیگر اساتذہ کرام سے حاصل کی۔

۱۳۵۷ھ میں ایشیا کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۸ھ میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔اساتذہ کرام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہم شامل ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ انجمن اسلامیہ بلوچستان کی جامع مسجد میں خطابت اور مدرسہ میں تدریس کی پھر مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ میں ایک سال تدریسی خدمات

انجام دیں۔

۱۹۴۹ء میں جب آپ کے والد ماجد حضرت مولانا قاضی نجم الدین صاحب رحمہ اللہ نے کلاچی میں مدرسہ عربیہ نجم المدارس کی بنیاد ڈالی تو آپ کا تقرر اس میں ہوگیا۔ ساری زندگی آپ نے اس میں دینی خدمات سرانجام دیں اور مدرسہ کو خوب ترقی دی۔ اہتمام کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف افتاء وقضاء اور تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا۔ نجم الفتاویٰ کے نام سے کئی جلدوں میں آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے ان کے علاوہ تالیفات میں مشکوٰۃ المصابیح پر تعلیقات نجم الاسلام، النجم الزاہر، روح نماز، برگ سبز وغیرہ مشہور ومعروف ہیں ۔آپ کے علمی مضامین پاکستان کے مشہور دینی جرائد میں طبع ہوتے رہے ہیں۔ ماہنامہ البلاغ، بینات، الصدیق، الخیر، میں بکثرت آپ کے مضامین شائع ہوئے۔

حضرت مولانا مرحوم کے علماء عصر سے بڑے گہرے تعلقات تھے اور ان سے مکاتبت کے ذریعہ برابر علمی فقہی رابطہ رکھتے تھے۔ احقر کے والد ماجد مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی آپ کے خاص تعلقات تھے۔ عرصہ ہوا جب حضرت مولانا نے ملکیت زمین کی تحدید کے موضوع پر مضمون لکھا اور وہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں شائع ہوا تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ''شخصی ملکیت'' کے نام سے مضمون لکھ کر ماہنامہ ''بینات'' ہی میں طبع کرایا۔ اس طرح ان دونوں حضرات میں باہمی رابطہ اور تعلق کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر تک جاری رہا۔

ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا اس کے بعد وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے قاسم العلوم ملتان میں ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا جس میں وفاق کے ناظم اعلیٰ کا انتخاب ایک اہم مسئلہ تھا ملک بھر سے ارباب مدارس اور حضرات علماء کرام نے اس میں شرکت کی احقر بھی حضرت والد ماجد کے ساتھ اس میں

شریک ہوا شرکائے اجلاس نے متفقہ طور پر حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کو وفاق کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا صدر حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ قرار پائے اور اس طرح وفاق کے ایک نئے زریں دور کا آغاز ہوا۔چھتیس سال کے عرصہ میں وفاق نے جو ترقی کی اور جو سنہری خدمات انجام دیں وہ سب کے سامنے ہیں ع عیاں راچہ بیاں۔

بہرحال اس اجلاس میں جہاں اور بہت سے علماء کرام کی زیارتیں ہوئیں وہیں حضرت قاضی عبدالکریم رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی احقر نے پہلی بار کی۔حضرت والد صاحب اور حضرت قاضی صاحب کا غائبانہ تعارف تھا ملاقات غالباً پہلی مرتبہ اسی اجلاس کے بعد ہوئی۔تعارف میں حضرت قاضی صاحب کو حضرت والد ماجد کے متعلق جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مفتی خانقاہ تھانہ بھون حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند ہیں تو بڑے تپاک سے ملے اور نہایت ہی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اور پھر تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا واقعہ اور حضرت جدامجد سے ملاقات اور ان کی رہنمائی کا ذکر کیا بعد میں احقر کی درخواست پر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے یہ سارا واقعہ تفصیل سے لکھ کر احقر کو ارسال فرمایا اور اس وقت ماہنامہ ''الخیر'' میں بھی یہ شائع ہوا۔اصل مضمون احقر کے پاس محفوظ ہے۔

وفاق المدارس پاکستان کے اجلاس منعقدہ ۱۴۰۱ھ سے فارغ ہو کر آپ نے رات کا قیام جامعہ خیرالمدارس ملتان میں فرمایا رات کو حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی رحمہ اللہ کا بڑا شاندار بیان ہوا صبح کا درس حضرت قاضی صاحب نے دیا اور اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ کا ذکر بھی فرمایا تھا۔

احقر پہلی مرتبہ ۱۹۸۷ء میں کلاچی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک دن قیام بھی کیا آپ نے بڑی شفقت فرمائی۔صاحبزادہ حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم مرحوم بھی بڑی محبت سے پیش آئے۔حضرت نے اپنے بزرگوں اور دیگر اکابر کے روح پرور حالات

سنائے خاص طور پر حضرت اقدس مدنی اور حضرت افغانی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر کیا۔انتہائی خوردترین ہونے کے باوجود حضرت نے ہمارا بڑا اکرام فرمایا۔ ہمیں وہاں قیام سے بڑی مسرت ہوئی واپس آ کر وہاں کے حالات حضرت والد ماجد رحمہ اللہ سے ذکر کئے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

۱۹۹۳ء میں احقر کے استاذ محترم حضرت مولانا صالح محمد صاحب مدظلہم اور تتر خیل کے دیگر علماء کرام کی درخواست پر حضرت والدصاحب رحمہ اللہ تتر خیل ضلع لکی مروت تشریف لے گئے احقر بھی ہمراہ تھا اس سفر کا مقصد تتر خیل میں جمعہ کے انعقاد کے لیے بستی کا مشاہدہ اور جائزہ تھا چنانچہ حضرت والدصاحب نے تتر خیل گاؤں کا مشاہدہ کیا اور فرمایا کہ اگر علاقہ کے کوئی عالم یہاں کے حالات کو دیکھ کر جمعہ کے قیام کا فتویٰ دیں تو یہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

اس کے بعد جامعہ معارف شرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان بھی کچھ دیر کے لیے تشریف لے گئے وہاں سے پروگرام بنا کہ کلاچی بھی جانا چاہئے چنانچہ کلاچی پہنچے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی وہ بڑے خوش ہوئے اور بڑے پرتپاک انداز میں ملے لیکن چونکہ وہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے خانپور تشریف لے جارہے تھے اسی لیے زیادہ دیر ان سے مجلس نہ ہوسکی ان کی نیابت میں میزبانی صاحبزادہ حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب مرحوم نے کی اور حضرت والدصاحب رحمہ اللہ کا طلبہ میں انہوں نے بیان بھی کرایا اور تواضع واکرام کا حق ادا کیا اس کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ سے کئی مرتبہ ساہیوال جامعہ حقانیہ میں بھی تشریف لانے کا پروگرام بنا ایک مرتبہ سالانہ جلسہ کی دعوت بھی دی گئی لیکن کسی معقول وجہ سے تشریف آوری نہ ہوسکی۔ بالآخر ایک مرتبہ نعمت غیر مترقبہ کے طور پر اچانک جمعۃ المبارک کے روز خطبہ جمعہ میں تشریف آوری ہوئی۔احقر نے جمعہ پر تقریر کی اور حضرت والدصاحب

نے خطبہ جمعہ دیا اور جمعہ پڑھایا۔حضرت قاضی صاحب اس میں شریک تھے بعد میں ملاقات پر بے حد خوشی ہوئی حضرت والدصاحب انہیں جامعہ میں لے آئے وقت اگرچہ مختصر تھا لیکن اس کے باوجود یہ لمحات بڑے ہی غنیمت تھے۔

مختلف مسائل میں حضرت قاضی صاحب اور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی مکاتبت بھی رہتی تھی۔موجودہ عائلی قوانین کے خلاف ایک مرتبہ آپ نے پانچ صد علماء کرام کے فتاویٰ جمع کر کے شائع فرمائے تھے ان میں حضرت والد ماجد کا فتویٰ بھی شامل تھا حضرت والد ماجد نے اپنے فتویٰ پر احقر کے استاذ محترم حضرت مولانا صالح محمد صاحب مدظلہم اور احقر ناکارہ سے بھی دستخط لیے تھے یہ ۱۴۰۶ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد بھی احقر کلاچی حاضر ہوا ہے۔ایک مرتبہ برادر کبیر حضرت مولانا سید عبدالصبور ترمذی صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔حضرت اور آپ کے برادر صغیر حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب رحمہم اللہ نے خوب اکرام کیا۔

حضرت الاستاذ مدظلہم کے ہمراہ بھی ایک مرتبہ حاضری ہوئی حضرت نے بڑی دعاؤں اور شفقتوں سے نوازا۔

احقر نے حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کا رسالہ جو''المہند علی المفند'' کا خلاصہ تھا اور ''عقائد علماء دیوبند'' کے نام سے شائع ہو رہا تھا تقریظ کے لیے آپ کو ارسال کیا آپ نے اس پر بڑی پسندیدگی کا اظہار کیا اور بڑی شاندار تقریظ لکھی جو برابر رسالہ کے آخر میں شائع ہو رہی ہے۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''تذکرہ حضرت مدنی'' اور ''معارف حضرت مدنی'' کو دیکھ کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔اور تھانوی مدنی سلسلہ میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے اعتدال اور میانہ روی کی بڑی تعریف فرمائی۔ان کی وفات پر احقر کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا اس میں ان کی تواضع اور علمی خدمات کا ذکر کا کیا اور وفات پر گہرے

رنج وغم کا اظہار فرمایا۔

آخر میں احقر آپ کے اس گرامی نامہ کو نقل کر رہا ہے جو دونوں بزرگوں کے حالات کا آئینہ دار اور حسب حال ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی وفات حسرت آیات سے سخت دھچکا لگا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت والا کے تعلیمی تدریسی خدمات دینیہ کے علاوہ تحریری صدقات جاریہ بھی مسلم الثبوت ہیں۔ تفسیر قرآن کریم کے ایک حصہ کے لیے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام یا ان کے جانشینوں کا آپ کا انتخاب آپ کی علمی عظمت کا ثبوت ہے مگر ان سب کے ساتھ اکابرین دیوبند کے ایک خاصۂ لازمہ تواضع کا جو حظ وافر آپ کو ملا تھا وہ دراصل بزرگان دیوبند کے نام لیواؤں میں خدانا کردہ رو بہ زوال نظر آتا ہے لا قدرھا اللہ تعالیٰ ۔کلاچی جیسے دور افتادہ غیر معروف قصبہ تک آپ کا صرف اس تعلق سے کہ یہاں حضرت مدنی قدس سرہ کے نام لیوا چند طالب علم رہتے ہیں سفر کرنا۔ پھر احقر کی آپ کے ہاں حاضری پر اپنے مدرسہ کے ایک ایک کمرے کی خود چل کر زیارت کرانا، اپنے تحریر کردہ تفسیر کے چند صفحے یا سطریں خود دکھلانا، مشایعت کے لیے درخانہ تک خود قدم رنجہ فرمانا احقر کے اس دعویٰ کے شواہد بینہ ہیں واجرہم علی اللہ تعالیٰ۔ بہر حال آپ کے وصال پر بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ

ع اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

ع۔ن۔ت

تعارف کتب

نام کتاب: سفرنامہ دہلی　　　تالیف: مولانا محمد شفیق سلیم ملکانوی مدظلہ

صفحات: ۱۳۶　　　ناشر: القاسم اکیدمی خالق آباد نوشہرہ

زیرنظر رسالہ ''سفرنامہ دہلی'' کی دلچسپ روئیداد ہے۔ جواس سے پہلے ماہنامہ ''القاسم'' میں قسط وار شائع ہوئی اور اب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم نے اسے دیدہ زیب ٹائٹل اور خوبصورت طباعت کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

اس رسالہ میں دہلی کی تاریخ۔ دہلی کے عام مسلمان اور علمی خانوادوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ نیز یہ مشاہدات وتاثرات۔ تاریخی نوادرات۔ مزارات اور روحانی سلاسل اور علمی مراکز کے حسین تذکرے کا دلچسپ مجموعہ بھی ہے اور عندذکر الصالحین تنزل الرحمۃ کا موجب بھی۔

نام کتاب: قرض کے فضائل مسائل اور احکام　　　تالیف: مولانا منور حسن سورتی مدظلہ

صفحات: ۱۶۸　　　ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ

زیرنظر کتاب میں قرض دینے کے فضائل اور قرض ادا نہ کرنے پر وعیدیں وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا اور قرض مانگنے والوں کو قرض دے کر ان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کرنا ہے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔ آج کل لوگ قرض لے کر واپس کرنے میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اگر سخت مجبوری میں قرض لینا پڑے تو اسے اولین فرصت میں واپس کر دینا چاہئے اگر اس پر عمل ہو تو آج بھی ایسے بہت سے حضرات ہیں جو ضرورت مندوں کے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں اور وہ پریشانی کے وقت لوگوں کے کام آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

رمضان المبارک ۱۴۳۶: جامعہ کے زیر انتظام شہر اور مضافات میں ۳۵ سے زائد مقامات پر مساجد میں نماز تراویح کا آغاز ہوا۔ یکم رمضان المبارک سے ۱۹ رمضان المبارک تک نماز تراویح کے بعد جامع مسجد حقانیہ میں حضرت مدظلہم کی مجلس کا سلسلہ بھی حسب سابق جاری رہا اور ۲۰ ویں شب سے تراویح میں ختم قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۲۹ ویں رات کو جامع مسجد حقانیہ میں جہاں عزیزم حافظ سید عبدالمقتدر ترمذی سلمہ (برادر زادہ حضرت صدر جامعہ مدظلہم) نے تراویح میں قرآن پاک مکمل کیا تھا یہ مبارک سلسلہ اختتام کو پہنچا۔ اس موقع پر حضرت علامہ مولانا محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور دعا فرمائی۔

یکم شوال المکرّم: حضرت مدظلہم نے عیدگاہ حقانیہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور نماز عید کی امامت فرمائی۔ ۷ر: حضرت مدظلہم گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور ایک نئی مسجد میں نماز جمعہ کا آغاز فرمایا۔

تعلیم کا آغاز

الحمدللہ مؤرخہ ۷: شوال المکرّم سے طلبہ اور اساتذہ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ۸ر شوال سے شعبہ حفظ کی تعلیم کا آغاز ہوگیا۔ شعبہ کتب میں تعلیم کا آغاز ۱۵ شوال کو ہوا۔ اس موقع پر حضرت مولانا محمد ظفر اللہ صاحب مدظلہم نے طلبہ کو ہدایات بھی دیں اور حضرت مدظلہم نے دعا کرائی۔ شعبہ تخصص فی الافتاء میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۲۲ شوال کو ہوا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ جامعہ کے تمام شعبوں کو مزید ترقیات سے نوازیں اور خدمات کو قبول فرمائیں۔

۱۶: حضرت مدظلہم ادارہ غفران راولپنڈی تشریف لے گئے اور شوریٰ کے اجلاس

میں شرکت فرمائی۔

۲۲ر تیونس اور موریطانیہ سے تبلیغی جماعت میں آئے ہوئے بعض علماء جامعہ میں تشریف لائے' ان کی فرمائش پر حضرت مدظلہم نے انہیں احادیث مسلسلہ کی اجازت بھی دی۔

۲۳: حضرت مدظلہم کی منجھلی صاحبزادی سلمہا اللہ تعالیٰ کا نکاح جناب سید سعید احمد گیلانی بن حضرت مولانا سید رشید القاسمی قمیصی فاضل دارالعلوم دیوبند کے بیٹے محترم سید ارمغان گیلانی سلمہ مقیم محلّہ باغ والا جھنگ کے ساتھ بخیر وخوبی انجام پایا۔ نماز ظہر سے قبل مہمان حضرات جھنگ سے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت مدظلہم نے مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا اور کھانے کے بعد عصر سے قبل رخصتی ہوئی۔ الحمدللہ تمام امور نہایت سادگی سے انجام پائے۔

شہر کے مضافات میں آئی ہوئی بعض تبلیغی جماعتوں کے علماء جامعہ میں تشریف لائے اور حضرت مدظلہم سے اجازت حدیث حاصل کی۔

۲۵ر: کو جامعہ میں حجاج کرام کے لیے حج تربیتی کورس کا آغاز ہوا جو تین دن جاری رہا۔ مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب مدظلہم ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا نے تربیت دی شہر اور مضافات سے حج پر جانے والے حضرات کی ایک کثیر تعداد نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

۲۸ر یوم آزادی ۱۴ر اگست کے حوالے سے ایک مختصر تقریب منعقد ہوئی ۸:۵۵ پر حضرت مدظلہم نے پرچم کشائی کی قومی ترانہ پڑھا گیا اور اس کے بعد حضرت مدظلہم نے دعا کرائی۔ جمعہ پر جامع مسجد حقانیہ میں تحریک پاکستان میں علماء کے کردار کے حوالے سے تفصیلی بیان فرمایا۔

۳ر ذوالقعدہ: جامعہ کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد ظفر اللہ صاحب مدظلہم کے پتے کا کامیاب آپریشن ہوا۔ قارئین کرام سے صحت کے لیے دعا کی درخواست ہے۔